اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | ربیع الاول ۱۴۴۵ھ | اکتوبر ۲۰۲۳ء | شمارہ ۱۰

آثار المُربّع

جنت کی نعمتوں کا اثر (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زرسالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

اثارالمُربّع

(جنت کی نعمتوں کا اثر) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا یہ وعظ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ بعد نماز جمعہ جامع مسجد تھانہ بھون میں فرمایا۔ جو حضرت والا نے سوا تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے اسے قلمبند فرمایا۔ مربع بمعنی منزل یعنی جنت جو کہ منزل ہے اس کے آثار یعنی معالم جس کے ذریعہ سے منزل تک رسائی آسان ہو یعنی اس وعظ میں یہ مضمون بیان کیا گیا کہ نعمائے جنت درحقیقت صورت مثالیہ میں ہمارے ہی اعمال کی پس اعمال اس تک پہنچنے کا ایسا ذریعہ ہیں کہ اعمال سے استدلال ہوسکتا ہے وصول جنت پر اس لیے اعمال کی کوشش کرنی چاہیے۔

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (اسراف کا انجام) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان () ہے۔

خلیل احمد تھانوی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	عذاب قبر پر اشکال.....	۷
۲.....	جواب اشکال باثبات عالم مثال.....	۸
۳.....	اکرام مسلم.....	۹
۴.....	عالم مثال.....	۱۰
۵.....	مناسبت اور مماثلت.....	۱۲
۶.....	تعویذ بازی.....	۱۲
۷.....	تعبیر بازی.....	۱۴
۸.....	عقل پر ناز.....	۱۵
۹.....	عالم مادی.....	۱۷
۱۰.....	جوتے کی برکت.....	۱۸
۱۱.....	مالیخولیا کا علاج.....	۱۹
۱۲.....	حکایت افلاطون.....	۱۹
۱۳.....	حکایت خلوت نشیں.....	۲۰
۱۴.....	موت کا خوف.....	۲۱
۱۵.....	متاع دنیا.....	۲۳
۱۶.....	افلاطونی دعوت.....	۲۴
۱۷.....	قوت تصرف.....	۲۵
۱۸.....	اعمال کے ثمرات.....	۲۶
۱۹.....	جزاء الاعمال.....	۲۸
۲۰.....	انسان اور حیوان میں مناسبت.....	۲۹

۲۱..... مثالی شکلیں..... ۳۱

۲۲..... مثالی صورتیں..... ۳۲

۲۳..... اخلاقی حدود..... ۳۲

۲۴..... اعتدال حقیقی..... ۳۳

۲۵..... وساوس وقرب..... ۳۶

۲۶..... ظاہر وباطن کا فرق..... ۳۷

۲۷..... تصرف کی قدرت..... ۳۹

۲۸..... اعمال کی صورتیں..... ۴۰

۲۹..... خوف وبیم..... ۴۱

۳۰..... اعمال واسرار..... ۴۲

۳۱..... مصالح عقلیہ..... ۴۳

۳۲..... اخبار الجامعہ..... ۴۹

ماہ ستمبر 2023ء کے وعظ کا آخری عنوان (عالم مثال) تھا۔

عذاب قبر پر اشکال

مثلاً حدیث میں ہے اور یہ کام کی بات ہے حدیث میں وارد ہے(۱) کہ قبر میں اس طرح سے عذاب ہوگا یا ثواب ہوگا، مثلاً عذاب کی ایک یہ صورت بھی ہوگی کہ زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبالے گی، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم مردہ کو قبر کے اندر تو رکھ دیں لیکن مٹی ڈال کر دفن نہ کریں تو ظاہر ہے کہ جب تک ہم بیٹھے رہیں گے نہ زمین ملے گی نہ وہ مردہ کو دبائے گی اس صورت میں ہم کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ جتنا فصل (۲) لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے وہی باقی رہتا ہے لاش دبتی دباتی کچھ بھی نہیں، ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے تو یہ صورت عذاب قبر کی جو حدیث میں آئی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کے متعلق تو ہے نہیں کیونکہ مشاہدہ اس کی تکذیب (۳) کرتا ہے۔ یہ اشکال اس وجہ سے اور بھی قوی ہوگیا کہ لوگوں نے اس کو دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا حالانکہ اگر دنیا کے متعلق ہوتا تو اس کے آثار کا نظر آنا بھی ضروری تھا اور اگر آخرت کے متعلق سمجھا جاوے تو اول تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو لفظ زمین سے متبادر (۴) ہے دوسرے یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جاوے تو پھر وہاں دو ہی ٹھکانے ہیں جنت یا دوزخ اور داخل ہونے کے بعد جنت سے تو کسی کا نکلنا ممکن نہیں اور دوزخ سے سب کا نکلنا ممکن نہیں اور حشر ہوگا (۵) جنت دوزخ سے باہر تو معلوم ہوا کہ ابھی جنت یا دوزخ میں گیا ہی نہیں۔ پھر حدیث کے کیا معنی تو اول نظر میں تو کسی کو یہی شبہ ہوسکتا ہے کہ جو ملاحدہ اور اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے چنانچہ ملاحدہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے ان کا بھی مذہب یہی رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں اور تشبیہیں ہیں اور مطلب ان مثالوں کے دینے سے یہ ہے کہ ایسی حالت ہوتی ہے یعنی مشابہ ان حالتوں (۶) کے حالت ہوتی ہے واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت بڑی دوڑ

(۱) حدیث میں آیا ہے (۲) جتنا فاصلہ (۳) مشاہدے کے خلاف ہے (۴) لفظ زمین سے سمجھی جاتی ہے (۵) میدان حشر میں حساب کتاب (۶) یعنی دبانے کی سی حالت ہوتی ہے حقیقت میں دبایا نہیں جاتا۔

دوڑے، حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ وہ لوگ محض روحانی عذاب اور ثواب کے قائل ہوگئے اور جسمانی کے منکر(۱) ہوگئے، اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار (۲) یعنی قبر تو دوزخ کا گڑھا ہوتی ہے یا جنت کا ٹکڑا تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں قبر میں کہ یہاں نہ تو پھول ہیں جنت کے نہ آگ ہے دوزخ کی پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہوسکتی ہے، غرض یہاں قبر کی جنت دوزخ میں تو یہ اشکال ہے رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ جنت میں وہ اشکال ہے جو میں نے پہلے عرض کیا۔

جواب اشکال باثبات عالم مثال

بہرحال یہ اشکال حل نہیں ہوسکتا، جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں یعنی عالم برزخ کے جس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا کہ وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا کہ وہ آخرت ہے تو وہ ایسا عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک (۳) کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے یا جیسے کہ حوالات بہ نسبت گھر کے وہ جیل خانہ ہے مگر بہ نسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے اور آخرت کا بھی نمونہ بنایا ہے تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالمِ مثال ہی میں جاتا ہے۔ وہاں ایک آسمان بھی ہے، مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے، مشابہ دنیا کی زمین کے اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم ہی تو مرنے کے بعد روح کے لیے ایک جسم مثالی ہوگا اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے، غرض یہ ایمان ہے ہمارا کہ حشر روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی یعنی یہی جسم جو ہم اب لئے بیٹھے ہیں اور جو گل سڑ کر خاک ہوجائے گا اسی کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر تازہ بنا کر محشو(۴) ر فرمائیں گے لیکن وہاں اس جسم کی خاصیت بدل جائے گی یعنی اب تو یہ خاصیت ہے کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس کا پیشاب پاخانہ بنتا ہے، بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یہاں تک کہ ایک دن مر کر فنا ہوجاتا ہے اور وہاں گویا ابدی اور خالد ہوجائے گا(۵)۔ غرض ایک تو جسم یہاں ہے اور ایک جسم ہے عالم

(۱) جسمانی ثواب وعقاب کا انکار کر بیٹھے (۲) مجمع الزوائد: ۴۶/۳، اتحاف السادة المتقین ۱۰۳/۶، الترغیب والترہیب: ۲۳۸/۴ (۳) دروازہ (۴) جمع فرمائیں گے (۵) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا اور جنت میں رہے گا۔

مثال میں اور وہ مشابہ ہے اس جسم کے یہ جسم بعینہ نہیں تو عالم مثال میں بدن بھی مثالی ہے وہاں کی جنت بھی مثالی ہے وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے، بس اس عالم مثال ہی کا نام قبر ہے اب سب اشکال رفع ہوگئے کیا معنیٰ کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے کیونکہ کسی کو بھیڑ یا کھا گیا یا کوئی سمندر میں غرق ہوگیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لیے اس کو چاہئے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو لیکن اب اشکال ہی نہیں رہا کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہوجائے گا، اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں، قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منفک (۱) نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو اور اس عالم مثال کے نہ جاننے ہی کی وجہ سے یہ بھی کہتے ہیں عوام کہ قبر ذرا بڑی رکھنی چاہئے تاکہ مردہ کو بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی قبر کے اندر مردہ کو بٹھایا جاتا ہوگا تو بس پھر کیا ہے اگر اپنے دشمن کو ستانا ہو تو اس کی قبر ذرا تنگ بنادی جاوے تاکہ مر کر بھی اُسے چین نصیب نہ ہو کیونکہ بعض لوگ اپنے دشمن کے لیے تمنا کرتے ہیں کہ مر کر بھی مصیبت سے نہ بچے تو اچھا ہے۔

اکرام مسلم

حضرت یہ جو وسیع قبر کی تجویز شریعت (۲) نے کی ہے یہ اس بناء پر تھوڑا ہی ہے کہ اس کے اندر مردہ اس طرح بٹھایا جائے گا جیسے آپ اس وقت بیٹھے ہیں بلکہ یہ تو محض اکرام اور عزت ہے مومن کی کہ اس کو مر کر بھی بیکار نہ سمجھا گیا، مرنے کے بعد بھی اس کے مرتبے کا لحاظ کیا اور ہر طرح اس کا اکرام کیا یہ نہیں کہ وبال تھا ٹال (۳) دیا بلکہ یہ حکم ہوا کہ اُس کی اس وقت بھی خاطر تواضع کرو قبر ایسی بناؤ کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو ویسی ہی جگہ اس کے لیے تجویز کرتے کپڑا ایسا پہناؤ جیسا وہ زندگی میں پہنتا، یعنی ویسا ہی لباس ہو، ویسی ہی صفائی ہو، خوشبوئیں بھی لگاؤ، نہلاؤ، دھلاؤ بھی، غرض بناسنوار کر عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرو اور واقعی جیسے مسلمانوں میں مردہ کا اکرام ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں ہوتا اور عیسائیوں میں بھی گو بہت اکرام ہوتا ہے لیکن اُن غلو بہت زیادہ

(۱) وہاں ہر حال میں آدمی پہنچ جاتا ہے چاہے دفن ہو یا نہ ہو (۲) کشادہ قبر بنانے کا حکم دیا (۳) مصیبت تھی جو دفع کردی گئی۔

ہے یہاں تک کہ پیٹی بھی کستے ہیں بوٹ بھی، پٹی بھی غرض پوری وردی پہناتے ہیں گویا وہاں جا کر بھی صاحب بہادر پہرہ ہی دیں گے، پہرہ پر یاد آیا کہ ایک صاحب بہادر نے اپنے نوکر کو کسی خطا پر برخاست کر دیا اس نے معذرت چاہی اس نے کہا کہ چلے جاؤ وہ بولا کہاں جاؤں، اس نے نہایت برہم ہوکر کہا کہ جہنم میں جاؤ خیر اس وقت تو وہ نکل گیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر آ گیا، سامنے جا کر کہا سلام صاحب، صاحب بہادر بولے، ہیں تم پھر آ گئے، اس نے کہا کہ حضور نے حکم دیا تھا کہ جہنم میں جاؤ، چنانچہ میں وہاں گیا تھا لیکن حضور وہاں تو چاروں طرف صاحب لوگوں کا پہرہ ہے کسی نے مجھے گھسنے نہیں دیا کہنے لگے کہ یہ جگہ تمہارے لیے نہیں یہ تو خاص صاحب لوگوں کی ہے کسی ہندوستانی کو اندر جانے کی اجازت نہیں، یہ سُن کر وہ بہت ہنسا اور خوش ہوکر اسے پھر نوکر رکھ لیا، خیر یہ حکایت اس پر یاد آ گئی تھی کہ عیسائیوں کے یہاں مردہ کو پہرہ کا سامان گھڑی وڑی بھی دیتے ہیں وہاں غلو ہے مگر یہاں اعتدال ہے یہاں کپڑا تو پہناتے ہیں مگر بے سلا وہاں تو اچکن پچکن بلکہ سایہ(۱) تک پہنا دیتے ہیں، غرض عیسائیوں کے یہاں تو اکرام میں غلو ہے اور ہندوؤں کے یہاں بالکل بھی اکرام نہیں بلکہ اور اُلٹی بے حرمتی کرتے ہیں، یہاں تک کہ بے چارہ کا سر بھی پھوڑتے ہیں، خیر وہ بے چارہ تو نہیں ہے، ہے تو واقعی وہ سر پھوڑے جانے ہی کا مستحق، بہرحال اسلام میں اعتدال ہے تو وہ عالم عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اول پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم کے ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے، وہیں اس کو فرشتے بٹھلاتے ہیں وہیں اس سے سوالات کرتے ہیں وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اُس کو عذاب ثواب ہوتا ہے وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور لو میں اب تمہیں کچھ اُس کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں جس سے یہیں اس کی کچھ کچھ حقیقت سمجھ میں آ جاوے۔

عالم مثال

وہ عالم کچھ کچھ خواب میں منکشف ہوتا ہے لیکن ایک تو خواب ہوتا ہے سچا اور ایک ہے محض خیال تو جو خواب سچا ہوتا ہے اس میں کچھ کچھ انکشاف(۲) اس عالم کا

(۱) سوٹ بوٹ بلکہ ہیٹ تک پہناتے ہیں (۲) تھوڑا بہت اس عالم کا پتہ چل جاتا ہے۔

ہوتا ہے بس اتنا فرق ہے کہ خواب میں تو حقیقت اُس عالم کی مغلوب ہوتی ہے کیونکہ اس میں آمیزش (۱) خیال کی بھی ہوتی ہے اور وہاں بالکل حقیقت ہی حقیقت ہوگی، ہاں وہ حقیقت اصلیہ بھی عالمِ آخرت کی حقیقت اصلیہ کے اعتبار سے تو بمنزلہ خواب ہی کے ہے (۲) بلکہ خواب میں جو حقیقت عالم مثال منکشف ہوتی ہے وہ بمقابلہ عالم مثال کی حقیقت اصلیہ کے اتنی ضعیف نہیں ہوتی (۳) جتنی عالم مثال کی حقیقت اصلیہ بمقابلہ عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے ضعیف ہے وہ اس سے بھی ضعیف تر ہے تو خواب میں اگر کوئی یہ دیکھے کہ مجھے سانپ نے کاٹا تو اب وہ خواب ہی میں بھاگتا بھی ہے چلتا بھی ہے چیختا بھی ہے چلاتا بھی ہے اب کوئی اس سے کہے کہ ارے تو تو برابر بستر پر پڑا رہا ہے نہ تجھے کسی سانپ نے کاٹا نہ تو بھاگا نہ چلایا کیوں خوامخواہ جھوٹ بولتا ہے تو کہہ سکتا ہے مگر چونکہ یہ امر خواب میں ہر شخص کو واقع ہوتا ہے اور عالم مثال منکشف ہوتا ہے، اس لیے اس کی کوئی تکذیب نہیں کرتا اور شارع علیہ السلام اس کی خبر دیں تو وہاں تکذیب (۴) کرتا ہے حیرت ہے تو عالم مثال میں ہر چیز کا نمونہ موجود ہے یعنی جتنی چیزیں ہیں موجودات حقیقیہ وہ سب وہاں موجود ہیں ایسی مثال ہے جیسے آئینہ کہ اس میں بھی اپنی شبیہ نظر آتی ہے لیکن جس طرح آئینہ میں بھی ہمیشہ شکل بالکل مشابہ نظر نہیں آتی، یعنی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی آئینہ تو بڑا لمبا چہرہ نظر آتا ہے کسی میں بہت چوڑا اور ایسا برا کہ خود ہی تھپڑ مارنے کو جی چاہے، اسی طرح سیاہ آئینہ میں سیاہ صورت نظر آتی ہے حالانکہ اپنے چہرہ پر کالک نہیں لگا رکھی اور سرخ آئینہ میں سرخ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کوئی سرخ چیز نہیں مل رکھی تو جس طرح یہاں جو چیزیں آئینہ میں نظر آتی ہیں وہ من کل الوجوہ مشابہت (۵) نہیں رکھتیں اصل کے ساتھ بلکہ جو آئینہ سچا ہوتا ہے وہ بھی بالکل سچا نہیں ہوتا، اس واسطے کہ کم از کم اتنا فرق تو ضرور ہوگا کہ آپ تو مثلاً بیٹھے ہیں مغرب میں لیکن آئینہ میں آپ نظر آویں گے مشرق میں تو دیکھئے کہاں رہی مشابہت من کل الوجوہ۔ غرض یہ جو آئینہ میں عکس نظر آتا ہے یہ محض ایک مثال ہے اصل صورت کی یعنی اُس کو کے ساتھ تو جیسے آئینہ میں سب

(۱) خیالات کی ملاوٹ (۲) وہاں آخرت کے احوال ایسے محسوس ہوں گے جیسے یہاں خواب میں برزخ کے احوال (۳) خواب میں جو عالم مثال کی حقیقت نظر آتی ہے وہ اتنی کمزور نہیں ہوتی جتنی کہ عالم مثال میں آخرت کی حقیقت نظر آئے گی وہ کمزور وضعیف ہوگی (۴) حضور اگر بتائیں تو جھٹلاتا ہے (۵) پورے طور پر مشابہ نہیں ہوتی۔

چیزیں نظر آتی ہیں گو وہ حقیقتاً مشابہ نہیں ہوتیں مگر صورۃً من وجہ مشابہ ہوتی ہیں اسی طرح عالم مثال میں اور اس عالم میں جو صور متشابہ ہیں اُن میں سے بعض میں تو مماثلت ہوتی ہے اور بعض میں مناسبت جب یہ بات سمجھ میں آ گئی۔

مناسبت اور مماثلت

اب یہ سمجھئے کہ وہ مناسبت بعض اوقات جلی ہوتی ہے اور بعض اوقات خفی (۱) مثلاً ہم نے خواب میں دیکھا کہ فلاں شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہے اور بعد میں سُن بھی لیا کہ واقعی اس شخص کے لڑکا پیدا ہو گیا تو یہاں تو باہم مناسبت قوی ہے اور جلی ہے جس کو مماثلت کہنا چاہئے اور کبھی یہ مناسبت قوی نہیں ہوتی بلکہ ضعیف اور خفی ہوتی ہے جیسے میں نے دیوبند میں خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ دو ہیں یعنی سرہانے بھی وہی بیٹھے ہیں اور پائینتی بھی وہی بیٹھے ہیں۔ غرض یہ دیکھا کہ دو سراج الحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو مولانا نے فی البدیہہ (۲) فرمایا کہ ان شاء اللہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا کیونکہ اولاد جو ہے وہ باپ کا وجود ثانی ہے۔ چنانچہ ان کے گھر میں امید تھی لڑکا ہی پیدا ہوا یہ مناسبت خفی تھی یعنی بیٹے کو باپ کی شکل میں دیکھا، یہ مماثلت تو نہیں کہی جاسکتی، ہاں مناسبت (۳) ہے اب جس کو اس عالم مثال کی وجوہ مناسبت کا زیادہ علم ہوتا ہے وہی معبر ہوتا (۴) ہے اور جس کو جتنا زیادہ اس مناسبت کا علم ہوگا اتنا ہی وہ اعلیٰ درجہ کا معبر ہوگا کیونکہ تعبیر خواب کا حاصل یہ ہے کہ معبر صورۃ مرئیہ سے صورت مثالیہ کی طرف (۵) عبور کرتا ہے تو یہ معبر صورت مناسبہ (۶) کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ کس حقیقت کی صورت ہے اور یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں بلکہ محض فراست ہے چنانچہ بعض کفار بھی نہایت صحیح تعبیر دیتے ہیں یہاں تک کہ ابوجہل بھی بہت بڑا معبر تھا تو اب کیا اس کو بھی بزرگ کہیں گے۔

تعویذ بازی

بس آج کل تو بڑا بزرگ وہ سمجھا جاتا ہے جو خوابوں کی تعبیر دیتا ہو یا جیسا کوئی

(۱) وہ مناسبت کبھی واضح ہوتی اور اور کبھی غیر واضح (۲) بغیر توقف کے فرمایا (۳) ایک طرح کی نسبت ہے (۴) خواب کی تعبیر دیتا ہے (۵) خواب میں جو شکل نظر آئے اس کو مثال میں واضح کرتا ہے (۶) تعبیر خواب بیان کرنے والا اس مناسبت کو سمجھ جاتا ہے۔

تعویذ مانگے ویسا ہی وہ دیتا ہو اور اگر کوئی صاحب کہہ دے کہ بھائی ہم تو تعویذ گنڈے جانتے نہیں تو یا تو اسے کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے بھلا کوئی بزرگ بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ جو تعویذ نہ جانتا ہو اور اگر اسے سچا سمجھیں گے تو کہیں گے کہ اجی یہ بزرگ وزرگ کچھ نہیں اگر بزرگ ہوتے تو تعویذ لکھنا نہ جانتے؟ پھر اگر تعویذ دیا اور بیمار اچھا نہ ہوا تو تعویذ دینے والے کی بزرگی ہی میں شک ہونے لگتا ہے کہ اگر یہ بزرگ ہوتے تو کیا تعویذ میں اثر نہ ہوتا حالانکہ اچھا ہوجانا کچھ بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اس کے تعویذ میں اثر زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اس کے محض سوچنے ہی سے جاڑا (۱) بخار اتر جاوے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی موجود ہے اور یہ مشق سے اور بھی بڑھ جاتی ہے بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص مناسبت (۲) ہوتی ہے غرض بزرگی کا اس میں کچھ دخل نہیں یہ مثلاً آج کل لوگ تصرفات کو بڑی بزرگی سمجھتے ہیں کہ ایک نگاہ دیکھا تھا دھڑ سے نیچے گر گیا تو یہ بزرگ کیا ہیں گویا گرگ (۳) ہیں، یوں کہئے کہ پہلوان بھی ہیں بزرگ صاحب، سو جناب یہ ساری خرابی بزرگوں کے اخلاق کی ہے کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے کچھ نہ کچھ تعبیر ضرور دے دینا، یا کوئی نہ کوئی تعویذ ضرور لکھ دینا اس میں بھی تو ایک بناوٹ اور تصنع سے (۴) ایسا کرنا ہے تاکہ درخواست کرنے والا ہماری بزرگی کا معتقد رہے یہ بات تو خیر الحمد للہ اہل حق میں نہیں ہے لیکن یہ خیال کرکے کہ اس کا دل نہ ٹوٹے لاؤ کچھ کردیں اور بنا کر سوچ سا چکر کچھ کرکرا دیا اس میں اہل حق بھی محتاج نہیں الا ماشاء اللہ اور صاف جواب اس لیے نہیں دیتے کہ دل ٹوٹے گا، سو اب چونکہ کہیں سے جواب تو ملتا نہیں اس لیے ان چیزوں کو بھی لوگ داخل بزرگی سمجھنے لگے، یہ خرابی ہوئی اخلاق کی، میں کہتا ہوں کہ خیر اگر دل شکنی کو بھی دل گوارا نہ کرے اور صاف جواب نہ دے سکیں تو کم از کم ایک بات تو ضروری ہے وہ یہ کہ یوں کہہ دیا کریں کہ بھائی اس کا تعلق دین سے تو کچھ ہے نہیں لیکن خیر تمہاری خاطر سے تعویذ دیئے دیتا ہوں باقی اثر ہونے کا میں ذمہ دار نہیں

(۱) سردی کا بخار اتر جاتا ہے (۲) قوت خیالی کی مثال آج کل ہپناٹزم سے دی جاسکتی ہے (۳) بھیڑیا (۴) دکھاوے۔

اور اگر اثر ہو بھی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں میرا کچھ دخل نہ ہوگا۔

تعبیر بازی

اسی طرح تعبیر کے متعلق کہہ دیں اگر یوں بھی کہہ دیا کریں تب بھی خیر غنیمت ہے، لوگوں کے عقیدے تو خراب نہ ہوں، اس کی ایسی مثال ہے کہ ہم لوگ یہاں قربانی کی کھال اور سری پائے سقہ (۱) کہ نہ دیا کرتے تھے کیونکہ یہ محض رسم ہے شرعاً اس کا کوئی حق نہیں لیکن جب سقوں نے بہت برا مانا تب میں نے یہ کیا کہ ان سے صاف کہہ دیا کہ شرعاً تمہارا کوئی حق نہیں ہے مگر ان کو کچھ پیسے دیدیئے، یہ ہمارے درجے کی بات ہے بس اب ہم تو یہ کرتے ہیں کہ اٹھا کر پیسے دے دیئے قربانی کا گوشت یا کھال نہیں دیتے یا سری پائے دے دیئے اور کہہ دیا کہ غریب سمجھ کر دے دیتے ہیں تمہارا کچھ حق نہیں، تو غرض اتنا بھی کریں تو غنیمت ہے مگر بزرگوں کے اخلاق کہ جی برا نہ ہو بس جی اگر جی بُرا ہونے میں اتنی ہی وسعت ہے تو پھر حق واضح ہو چکا اور اس میں جی بُرا ہونے کی کیا بات ہے اجی نرمی کے ساتھ کہہ دو کہ سمجھ میں نہیں آئی تعبیر۔ اسی واسطے اگر کوئی مجھے خواب لکھ کر بھیجتا ہے تو میں تجربوں کی بنا پر اکثر یہ شعر جواب میں لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم (۲)

صاف لکھ دیتا ہوں کہ خواب کوئی بڑی چیز نہیں بیداری کا قصہ بیان کرو اور واقعی خواب میں اگر کوئی یہ بھی دیکھے کہ میں سُور کا گوشت کھا رہا ہوں بلکہ سُور ہی بن گیا تب بھی واللہ العظیم اس کو حق تعالیٰ سے مطلق بعد (۳) نہیں ہوا اسی طرح اگر کوئی یہ دیکھے کہ میں جبرئیل علیہ السلام کے بازو پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہیٰ پر جا پہنچا ہوں بلکہ خود جبرئیل ہی بن گیا تب بھی خدا کی قسم اس کو ذرہ برابر قرب حاصل نہیں ہوا ہاں بعد بیداری کے اُس نے اب اُٹھ کر غیبت کی تو اب بعد ہوا اور جب خواب میں گوکھا تا پھرتا تھا اور سُور بنا ہوا تھا اس وقت بعد نہ تھا نہ اسی طرح جب خواب میں جبرئیل بنا ہوا تھا، اس وقت قرب نہ تھا تو نہ جبرئیل بننے سے خواب میں قرب حاصل ہو نہ سور بننے سے بُعد ہو، خواب میں کیا رکھا ہے مگر ہزاروں لوگ

(۱) ماشکی (۲) ''نہ میں شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر بیان کروں، محبوب حقیقی کا غلام ہوں پس انہیں کی باتیں کرتا ہوں'' (۳) دوری نہیں ہوئی۔

غلطیوں میں مبتلا ہیں، یہی حال تعویذوں کا ہے غرض حقائق میں اور صُور مثالیہ ہیں جو مناسبتیں ہیں جن لوگوں پر وہ منکشف ہوجاتی ہیں وہی معبر ہوتے ہیں (۱) خواہ وہ انکشاف عقل وفراست ہی سے ہو کیونکہ بعض عاقل بھی اُن مناسبتوں کو اپنی فراست سے سمجھ جاتے ہیں جیسے ابوجہل دنیا کا بڑا عاقل تھا وہ بھی بہت بڑا مُعبّر (۲) تھا حالانکہ وہ بزرگ تو کیا ہوتا رئیس الکافرین (۳) تھا اسی واسطے تو میں کہا کرتا ہوں کہ نری عقل سے کچھ نہیں ہوتا جب تک فضل بھی نہ ہو۔

عقل پر ناز

اللہ کی قسم عقل پر ناز کرنا بے عقلی اور بیراہی ہے اس لیے خدا کے واسطے اگر کسی کو اپنی عقل پر ناز ہو تو اس خیال کو دور کرے نری عقل (۴) کچھ کام نہیں آتی بڑے بڑے عقلاء نے ٹھوکریں کھائی ہیں جب تک حق تعالیٰ کی دستگیری (۵) نہ ہو عقل کچھ کام نہیں آتی، دیکھئے بڑی رفتار گھوڑے کی یہ ہے کہ دامنِ کوہ تک پہنچادے اُس کے بعد گھوڑا بالکل بیکار ہے وہاں تو ہوائی جہاز کی ضرورت ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ
فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ
ہر کجا پستی آب آنجارود — ہر کجا مشکل جواب آنجارود
سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش — ہمچو او باگریۂ و آشوب باش (۶)

وہاں تو شکستگی اور پستی (۷) کام دیتی ہے عقل کچھ کام نہیں دیتی، فرماتے ہیں

(۱) حقیقت اور صورت مثالیہ میں جو مناسبت ہے جس کو اس کا صحیح علم ہوجائے وہ ہی صحیح تعبیر بیان کرسکتا ہے (۲) تعبیر بیان کرنے والا (۳) کافروں کا سردار (۴) خالی عقل (۵) ہاتھ نہ تھام لیں (۶) ''فہم وخاطر کو تیز کرنا راہ سلوک نہیں بلکہ شکستگی پیدا کرنا ہے، اللہ کا فضل وکرم سوائے شکستہ لوگوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔ جہاں پستی ہوتی ہے پانی وہیں جاتا ہے جہاں اشکال پیش آتا ہے جواب وہاں دیا جاتا ہے۔ برسوں تم دلخراش پتھر متکبر بنے رہے آزمائش اور امتحان کی نظر سے کچھ روز خاسر بن کر (متواضع بن کر) دیکھو، بہار کے موسم میں پتے کب سرسبز ہوتے ہیں، مٹی بنو تاکہ اس میں سے رنگ برنگ کے پھول اگیں، اگر تم یوسف نہیں تو یعقوب بنو ان کی طرح گریہ وزاری اور درد وطلب اختیار کرو'' (۷) تواضع اور عاجزی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را(۱)

یہاں عقل پر تمہیں بڑا ناز ہے لیکن عنقریب ایک ایسا عالم تمہارے سامنے آرہا ہے کہ وہاں متاع عقل کو تم دیکھو کہ کاسد محض ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی سوار ہوا کشتی پر اس کو بڑا ناز تھا اپنی نحو دانی پر ہر کسی سے پوچھتا کہ تم کچھ نحو بھی جانتے ہو حتیٰ کہ جاہل ملاح سے بھی آپ نے یہ سوال کیا وہ غریب کیا جانے کہ نحو کسے کہتے ہیں اس نے کہہ دیا کہ میں تو نحو نہیں جانتا، آپ یہ سُن کر بولے کہ واہ میاں تم نے اپنی آدھی عمر یوں ہی برباد کی وہ بے چارہ بہت دل شکستہ (۲) ہوا، تھوڑی دیر کے بعد چلتے چلتے کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی، اب لگے مولانا چلانے اس وقت ملاح نے پوچھا کہو مولانا کچھ تیرنا بھی جانتے ہو۔ مولانا بھلا تیرنا کیا جانتے کہا میں تو تیرنا نہیں جانتا، ملاح نے کہا کہ واہ مولانا تم نے اپنی ساری عمر یونہی برباد کی اس جگہ پہنچ کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محوی باید نہ نحو ایں جا بداں(۳)

آگے کا مصرعہ یاد نہیں رہا، آج ایک عالم جن پر تو طعن کرتا ہے کل قیامت میں ان کے سر پر تاج بھی ہوگا اور ان کے لیے تخت بھی ہوگا اور جو طعن کرنے والے ہیں اُن کے سر پر گوکا ٹوکرا ہوا اور پیروں میں زنجیریں ہوں گی، وہاں حقیقت کھلے گی کہ جن کو اب ہم احمق اور خبطی سمجھتے ہیں ان کا اور اللہ کا تعلق کس قدر قوی ہے اور وہاں معلوم ہوگا کہ محض ضابطہ کا نماز روزہ کچھ کام نہیں آئے گا، اس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما بروں رانگریم وقال را　　مادروں را بنگریم و حال را

ناظر قلبیم اگر خاشع بود　　گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود(۴)

(۱) عقل دور اندیش کو آزما کر دیکھ لیا جب کام نہ بنا تو پھر دیوانہ ہوگیا (۲) دل ٹوٹا (۳) ''یہاں محو ہونے کی ضرورت ہے علم نحو جاننے کی ضرورت نہیں'' (۴) ''ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن اور حال کو دیکھتے ہیں، ہم دل کو دیکھتے ہیں کہ اس میں اگر خشوع ہے اگرچہ اس نے عاجزی والے کلمات ادا نہ کئے ہوں''۔

غرض شکستگی ہونی چاہئے نری عقل اور ذکاوت (۱) سے کچھ کام نہیں چلتا، غرض حقائق اور صُور مثالیہ کی مناسبتیں کبھی عقل سے بھی معلوم ہوجاتی ہیں، عقل بھی کبھی دور تک پہنچ جاتی ہے مگر دین میں نری عقل کافی نہیں، بڑا کمال عقل کا یہ ہے کہ وہاں تک پہنچ جائے جہاں تک عقل کا پہنچنا ممکن ہے، سو عقل بھی ایک بڑا رہوار گھوڑا (۲) ہے لیکن گھوڑا چاہے کتنا رہوار ہو ہوائی جہاز کا کام تو نہیں دے سکتا۔ اسی طرح عقل سے آگے وحی کی ضرورت ہے سو عقل کی رسائی وجوہ مناسبت عالم مثال تک ہوسکتی ہے مگر کمال نہیں اور یہ مضمون استطراداً آ گیا اب مقصود کی طرف عود کرتا ہوں (۳)۔

عالم مادی

یہ تو معلوم ہوگیا کہ علاوہ عالم شہادت اور عالم آخرت کے ایک عالم مثال بھی ہے اس کا مان لینا ضروری ہے ورنہ قرآن حدیث کے بہت سے معانی مشتبہ رہتے ہیں اور ایسے اشکالات واقع ہوتے ہیں کہ جن کا جواب ہی نہیں اور عالم مثال کے ماننے سے سب اشکالات دور ہوکر معانی بالکل صاف ہوجاتے ہیں یہاں تک تو عالم مثال کا اثبات تھا اب اس کے بعد اُس غلطی کا ذکر کرتا ہوں جو اس کے ماننے والوں میں سے بعض کو واقع ہوگئی ہے وہ یہ کہ یہ لوگ عالم مثال کے ایسے قائل ہوئے کہ سرے سے آخرت ہی کو اُڑا دیا یعنی آخرت کی حقیقت ہی یہ بیان کی کہ آخرت بھی تمثلات (۴) ہیں، وہاں مادیات نہیں یعنی جیسے دنیا عالم مادی ہے، عالم آخرت ان کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ وہ غیر مادی ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک آخرت بھی عالم مادی ہے اور وہ غلط کار لوگ کہتے ہیں کہ آخرت عالم مادی نہیں بلکہ محض تخیل ہوگا لیکن ایسا قوی تخیل ہوگا کہ یوں معلوم ہوگا جیسے مادیات ہوں پس ایسا عالم ہوگا جیسا خواب میں ہوتا ہے کہ سانپ کے کاٹنے کی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے انسان ڈرتا بھی ہے بھاگتا بھی ہے، چیختا بھی ہے چلاتا بھی ہے لیکن واقع میں نہ کوئی سانپ ہوتا ہے نہ وہ کاٹتا ہے نہ کچھ ہوتا ہے وہ عذاب قبر کے بھی اسی طور پر قائل ہیں کہ مثلاً یہ جو آیا ہے کہ سانپ اور بچھو کاٹیں گے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سچ مچ سانپ اور بچھو کاٹیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسی بچھوؤں

(۱) ذہانت (۲) (۲) تیز چلنے والا گھوڑا (۳) اب مقصود کی طرف واپس آتا ہوں (۴) عالم آخرت بھی عالم مثال ہی کی طرح ہے وہاں مادیت نہیں ہے یہ خیال غلط ہے۔

کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے ایسی ہی تکلیف روح کو ہوگی، اس تکلیف کو تعبیر کر دیا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عنوان سے کہ سانپ بچھو کاٹیں گے، غرض وہ لوگ اس کے قائل ہو گئے کہ آخرت میں عذاب اور ثواب اس طور پر ہوگا کہ جیسے بعض اوقات انسان پر خیال کا غلبہ ہوتا ہے وہاں بھی اعمال کی صورتیں ایسے طور پر نمایاں ہوں گی کہ وہ شخص یوں سمجھے گا کہ میں باغوں میں پھر رہا ہوں، حوروں میں مشغول ہوں اور واقع میں نہ باغ ہوں گے نہ حوریں ہوں گی مگر تصرف متخیّلہ کا ایسا ہوگا جیسے یہاں آدمی بیٹھ کر وہم کو اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے۔

جوتے کی برکت

چنانچہ دیوبند میں ایک ذی علم پر تخیل کا غلبہ تھا کہ وہ یوں کہتے تھے کہ سوکھے ٹکڑے بھی اگر پلاؤ کے تصور سے کھاؤں تو پلاؤ کا لطف آتا ہے مجھے بھی اُن کی زیارت ہوئی ہے اُن ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ رضائیاں اور لحاف اپنے سر پر باندھتے تھے انہیں یہی وہم سوار ہو گیا تھا کہ میرا سر نہیں رہا ہے اس لیے سر کی جگہ وہ ان چیزوں کو باندھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے طبیب بہت اچھے تھے، طب میں اچھی خاصی عقل تھی لیکن اس خبط میں مبتلا ہو گئے تھے کہ میرا سر نہیں رہا، مولانا کو اطلاع کی گئی مولانا علاج کے لیے تشریف لے گئے، حال پوچھا تو وہی ہانکا کہ سر نہیں مولانا صاحب نے نکال کے جوتہ سر ہی پر مارنا شروع کیا وہاں اس کا بہت چرچا تھا چلانے لگے کہ مولوی صاحب چوٹ لگی، چوٹ لگی، مولانا نے فرمایا چوٹ کہاں لگی بولے سر میں فرمایا سر تو ہے ہی نہیں، کہنے لگے اجی ہاں ہے اب معلوم ہوا کہ واقعی ہے بس جاتا رہا مالیخولیا(۱) اسی طرح جب کوئی آ کر شکایت کرتا کہ میرے فلاں عزیز پر اللہ بخش جن کا اثر ہے تو مولانا فرماتے کہ یہ میرا جوتہ لے جاؤ اور جا کر چار پانچ سر پر لگاؤ دیکھیں تو کیسا اللہ بخش ہے اور مولانا کا یہ مطلب نہ تھا کہ واقع میں اللہ بخش کا اثر نہ ہوتا تھا محض مکر ہی ہوتا تھا نہیں بلکہ اگر سچ مچ بھی اثر ہوتا تھا تو وہ بھی مولانا کے جوتہ کی برکت سے جاتا رہتا تھا کیونکہ کاملوں سے سب ڈرتے ہیں، اللہ بخش بھی خدا بخش بھی، اس قسم کی ایک کرامت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ خلیفہ کی لڑکی پر جن کا اثر ہوا، امام صاحب نے اپنا جوتہ بھیج دیا وہ دیکھتے ہی بھاگ گیا، جب امام صاحب کا انتقال ہو گیا تو پھر اثر ہوا، اُن کے ایک شاگرد کو

(۱) پاگل پن۔

اطلاع کی گئی انہوں نے بھی اپنا جوتہ بھیج دیا، جن نے کہلا بھیجا کہ خیر اوّل گستاخی تو معاف کی جاتی ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہو جو تمہارے جوتے میں وہ برکت ہو، یاد رکھو آئندہ اگر ایسی گستاخی کی تو تمہاری اچھی طرح اصلاح کی جائے گی۔

مالیخولیا کا علاج

غرض مالیخولیا کا بڑا علاج یہ ہے کہ کسی تدبیر سے مریض کا خیال بدل دیا جاوے، ایک شخص کو یہ خیال ہوگیا کہ میرا بدن شیشے کا ہے، حکیم صاحب نے نبض جو دیکھنی چاہی تو آپ کہنے لگے کہ ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو مجھے ہاتھ نہ لگانا، میرا بدن شیشے کا ہے ٹوٹ جاوے گا، حکیم صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا یہ تو بڑی دور پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے کیا تدبیر کی اگلے دن بلایا اور آنے کے قبل خادموں کو حکم دیا کہ یہ جب آوے اس پر کمبل ڈال کر گرا کر اوپر سے شیشہ کے ٹکڑے پتھر سے توڑ دو لیکن اس طرح کہ چوٹ نہ لگے، اگر غل مچائے تو مچانے دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس نے بڑا غل مچایا کہ ہائے میں ٹوٹا، ہائے میں پھٹا، لیکن کسی نے ایک نہ سنی، بالآخر حکیم صاحب نے اُسے شیشہ کے ٹکڑے دکھلا کر کہا کہ دیکھو میاں ہم نے تمہارے بدن پر سے شیشے کا خول اتار دیا اب تو اصلی بدن ہوگیا یا نہیں، شیشے کے ٹکڑے دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ شیشے کا جو خول تھا تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ اُتر گیا پھر آپ نے بدن ٹٹول کر کہا کہ ہاں اب تو ہوگیا بدن غرض یہ خیال ایسی چیز ہے۔

حکایت افلاطون

ایک حکایت افلاطون کی ہے جس کو دنیا پر منطبق کرو تو بالکل ٹھیک ہے اور دنیا ہی کے متعلق وہ ہے بھی، ہائے اس وقت ایک قطعہ یاد آ گیا دنیا پر۔

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ　　گفتہ یا خوابے یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروئے بہ بست　　گفت یا غولے ست یا دیویست یا دیوانہ(۱)

افلاطون کو اہل ظاہر تو کافر کہتے ہیں لیکن بعض اہل باطن کا کشف ہے کہ وہ

(۱) ''ایک عقل مند سے میں نے دنیا کا حال دریافت کیا اس نے کہا یا تو خواب ہے یا ہوا ہے یا افسانہ ہے، پھر میں نے کہا اس شخص کا حال بیان کرو جس نے دنیا میں دل لگایا، اس نے جواب دیا وہ بھتنا ہے شیطان ہے یا دیوانہ ہے''۔

مومن تھا اور کیا تعجب ہے کہ وہ مومن ہی ہو ورنہ اس میں تو شک نہیں کہ وہ اشراقی (۱) تو ضرور تھا اور صاحب کشف تھا اور یہ اشراقیین سب حکماء تھے فاسق فاجر نہ تھے نہ طامع (۲) تھے کیونکہ جو علوم میں کامل ہوگا خواہ وہ علم مقصود نہ ہو مگر وہ دنیا کا طالب ہرگز نہ ہوگا ویسے حکماء تو مشائین (۳) میں بھی تھے، فاسق فاجر وہ بھی نہ تھے لیکن اشراقیین تو بالکل تارک الدنیا ہوتے تھے جیسے جوگی پھوگی ہوتے ہیں اگرچہ مقبول نہ ہوں چنانچہ افلاطون بھی اگر مومن بھی نہ ہو مگر ایسا ہی تھا وہ اللہ کی یاد کرتا تھا چاہے اس کی یاد مقبول نہ ہو کیونکہ اگر کسی میں ایمان نہ ہو تو وہ لاکھ عبادت اور ریاضت مجاہدہ کرے کچھ بھی نہیں، بہرحال افلاطون کا یہ دستور تھا کہ جو کوئی اس سے ملنے آتا تھا پہلے اس کی تصویر منگاتا تھا اس کا ایک شاگرد تھا جو دروازہ پر رہتا تھا وہ مصور اعلیٰ (۴) درجہ کا تھا اس کو حکم ہوتا تھا کہ آنے والے کی تصویر کھینچ کر ہمارے سامنے پیش کرو وہ فوراً تصویر کھینچ کر افلاطون کے سامنے پیش کر دیتا، افلاطون قیافہ داں اس غضب کا تھا کہ تصویر ہی سے آنے والے کے تمام اخلاق معلوم کر لیتا تھا جو ملنے کے قابل ہوتا اس کو اپنے پاس بلا لیتا اور جو ملنے کے قابل نہ ہوتا اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتا گو کتنا ہی بڑا شخص ہو۔

حکایت خلوت نشیں

اس پہرہ چوکی پر ایک بزرگ خلوت نشیں کی حکایت یاد آ گئی کہ اُن کا بھی ایک خادم پہرہ پر رہتا تھا، ایک دفعہ بادشاہ وقت ان بزرگ سے ملنے گئے اور واقعی جو تارک الدنیا ہیں ان کے سامنے بادشاہوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں، چنانچہ وہاں ان کا ایک خدمت گار بطور دربان کے تھا گو وہ ٹوٹا پھوٹا ہی سا تھا مگر۔

مبیں حقیر گدایاں عشق را کایں قوم شہان بے کم وخسروان بے کلہ اند (۴)

جو مرید ہوتے ہیں اُن کی نظر میں اپنے شیخ کی برابر بادشاہ بھی نہیں ہوتا، چنانچہ بادشاہ جیسے صاحب ہیبت اور صاحب شوکت کا بھی اس خدمتگار پر مطلق اثر نہیں ہوا اس نے

(۱) حکما کا وہ مرتاض گروہ جو تصفیہ قلب اور کشف کے ذریعہ شاگردوں کو دور بیٹھے تعلیم دیا کرتا تھا (۲) لالچی (۳) وہ حکما جو ایک دوسرے کے پاس جا کر تحصیل علم کیا کرتے تھے (۴) بہترین تصویر کشی کرتا تھا (۵) ''کے گدایاں عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہان بے تخت ہیں''۔

بادشاہ سے کہا کہ ذرا ٹھہر جایئے میں پہلے دریافت کرلوں اگر اجازت مل گئی تو آپ اندر جاسکیں گے، ورنہ نہیں غرض بادشاہ کو مجبوراً باہر ٹھہرنا پڑا، جب باقاعدہ اجازت مل گئی تو اندر پہنچا دیکھا تو ایک معمولی سا شخص ہے، دل میں کہا کہ میاں کا لباس تک تو ٹھیک نہیں اور دماغ ایسے ہیں جیسے مالک الملک ہوں اور دماغ کیوں نہ ہوں بادشاہ اگر مالک الملک تھا تو وہ مالک الفلک (۱) تھے، فُلک سے مراد فلَک کیونکہ فلک بھی ایک قسم کی کشتی ہے جو فضا میں گھوم رہی ہے بادشاہ اس پہرہ چوکی سے جلا ہوا تو تھا ہی اس نے بطور اعتراض کے ان درویش کے سامنے پہنچتے ہی یہ مصرعہ پڑھا۔

در درویش را درباں نباید (۲)

انہوں نے فی البدیہہ جواب میں دوسرا مصرعہ پڑھ دیا۔

بباید تاسگِ دنیا نیاید (۳)

موت کا خوف

یہ لوگ اہل دنیا سے بالکل نہیں ڈرتے اور کیوں ڈریں وہ ان کا کیا کرلیں گے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جان لے لیں گے بس اور کیا کرلیں گے سو اس کے بارے میں ان کا یہ جواب ہے کہ لَاضَيْرَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ کچھ حرج نہیں تم اگر ہمیں مار ڈالو گے تو اور اُلٹا ہمارا بھلا ہوجائے گا ہم اپنے اللہ میاں کے پاس چلے جائیں گے، اچھا ہے قید سے چھوٹ جائیں گے، ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خبر مرنے کی جب سنتے ہیں تو خوش ہوکر بزبان حال یہ پڑھتے ہیں۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سر جاں شوم (۴)

جب تک زندہ تھے قالب میں (۵) مقید تھے زندگی میں تو حجاب بھی تھا جب مرگئے تو حجاب بھی اٹھ گیا، اس لیے یہ حضرات مرنے پر اور بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ

(۱) اگر وہ ملک کا بادشاہ تھا تو یہ فلک کے بادشاہ تھے فلک سے مراد کشتی ہے اور آسمان بھی کشتی کی طرح فضاء میں تیر رہے ہیں گویا ان کی حکومت آسمانوں پر تھی (۲) ''درویش کو دربان نہ چاہئے'' (۳) ''ضرور چاہئے تاکہ دنیا کا کتا اندر نہ آئے'' (۴) ''وقت قریب آگیا ہے کہ میں بدن کے لباس میں سے ننگا ہوجاؤں گا جسم کو چھوڑ کر سراپا جان ہوجاؤں گا'' (۵) جسم کے ڈھانچے میں قید تھے۔

الحمدللہ اس کہنے کا وقت آ گیا۔

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانہ ما کہ کسے نیست بجز دردِ تو در خانۂ ما(۱)

انہیں کیا ڈر مرنے کا، یہ تفسیر لطیف ہے، اس آیت کی لَا ضَيْرَ لِنَآ إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ (۲) غرض ان کے یہاں موت تو ایک کھیل ہے انہیں موت سے کوئی کیا ڈراوے تو وہ خود موت کی تمنائیں کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم راحت جاں طلبم واز پئے جاناں بردم

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تادرِ میکدہ شاداں وغزل آں بروم (۳)

اور خیر وہ تو غزل کیا پڑھتے مگر مرنے کے وقت اپنے نائب کو پڑھنے کی وصیت کر جاتے ہیں، اللہ اکبر کیسی مطمئن ہوگی وہ روح ایک بزرگ وصیت کر گئے تھے کہ ہمارا کوئی خوش آواز مخلص مرید ہمارے جنازہ کے ساتھ یہ پڑھتا ہوا چلے۔

مفسلا نیم آمدہ در کوئے تو (۴)

یعنی ہماری طرف سے عرض کرتا ہوا جاوے۔

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو شئے للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما آفرین بردست وبربازوئے تو (۵)

تو ان کی خوشی کی کیا انتہا ہے وہ کیا ڈرتے موت سے، اس واسطے ان درویش نے بے دھڑک بادشاہ کو اس کے مصرعہ کا یہ جواب دیدیا

باید تا سگِ دنیا نیاید (۶)

وجہ یہ کہ جو شخص تارک الدنیا ہوگا وہ تارک تارُک بھی ضرور ہوگا تارک سر کو کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ جس روز آپ شہید کئے گئے تھے، آپ

(۱) ''بے دھڑک اندر آجا میرے کاشانہ (دل) میں تیرے سوا اور کوئی موجود نہیں'' (۲) الشعراء: ۵۰ (۳) ''وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ میں اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں، میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہوجائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں'' (۴) ''آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں'' (۵) ''آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عنایت کیجئے، ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھایئے آپ کے دست وبازو پر آفرین ہے'' (۶) ''دربان ضرور ہونا چاہئے تاکہ دنیا کے کتے نہ آسکیں''۔

کو کشف ہوگیا تھا چنانچہ آپ صبح ہی سے نہایت شاداں اور فرحاں تھے، موت کی وجہ سے اور بار بار یہ کہتے تھے

سر جدا کرد از تنم یارے کہ بامایار بود قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود(۱)

متاع دنیا

بڑے بے فکر ہیں یہ لوگ انہیں تو بس ایک ہی فکر ہے جیسے عصائے موسیٰ اتنا بڑا سانپ ہوگیا تھا کہ سارے سانپوں کو نگل گیا تھا، ایسے ہی ان کی یہ ایک فکر ایسی ہے کہ سارے فکروں کو نیست ونابود(۲) کر دیتی ہے۔ سبحان اللہ کیا انتہا ہے ان کی زندگی کی پاکیزگی کی ایک بار بادشاہ وقت افلاطون کے پاس آیا اور بعد امتحان اس نے بادشاہ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیدی، جب رخصت ہونے لگا تو افلاطون نے کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں بادشاہ نے دل میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے زیادہ دنوں تک تنہائی میں رہتے رہتے خبط ہوگیا ہے، یہ جنون ہی تو ہے کہ آپ کی ایسی پھٹی ٹوٹی تو حالت اور بادشاہوں کی دعوت کرنے کے حوصلے اور بادشاہ اس خیال میں معذور بھی تھا وہ تو اسی متاع کو بڑی چیز سمجھتا تھا، مگر افلاطون کی نظر میں اس کی وہ وقعت تھی جیسے بچے ایک گھر بناتے ہیں پیر مکوڑا دیکھو وہاں سہ دریاں بھی ہیں کوٹھے بھی ہیں سب کچھ موجود ہے مگر باپ اس کو دیکھ کر ہنس رہا ہے کہ ان حضرات کا سارا گھر میری ایک لات کا ہے بس ایسی ہی متاع ہے عقلاء دنیا کی جیسے ایک منہیارا(۳) اپنے سر پر چوڑیوں کا ایک ٹوکرا لیے جارہا تھا گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی چیز کی بابت انہیں پوچھنا ہوتا ہے اپنی لاٹھی سے آہستہ سے ایک کھودا(۴) دیا کرتے ہیں، کھود کرید کرنے کے لیے اسی طرح دیہاتی نے ان چوڑیوں میں لاٹھی سے کھودا دے کر منہارے سے پوچھا کہ ارے یہ کیا ہے اس نے کہا اجی بس ایک دفعہ اور مار دو تو کچھ بھی نہیں یعنی ایک ضرب سے سب تقسیم تفریق سے مبدل ہوکر کسور تک پہنچ گئی اور کسور بھی صرف کسور عام نہیں بلکہ کسور اعشاریہ بھی غرض سارا حساب(۵) یہیں ختم ہوگیا تو اہل دنیا کے نزدیک دنیا کی متاع بڑی چیز ہے۔

---

(۱) ''سر جدا کیا میرے جسم سے اس یار نے جو ہمارے ساتھ یار تھا، قصہ مختصر ورنہ درد سر بہت تھا'' (۲) تمام فکروں کو مٹا دیتی ہے (۳) چوڑیاں بیچنے والا (۴) ٹھونکا لگاتے ہیں (۵) یعنی ایک لاٹھی اور ماری تو ساری جمع شدہ چوڑیاں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوجائیں گی۔

افلاطونی دعوت

اسی بناء پر بادشاہ نے عذر کیا افلاطون کو اس خیال کا ادراک تھا اس لیے بادشاہ کی اس خام خیالی پر ہنسنے لگا اور اس کو یہ خاص نفع پہنچاؤں کہ اسے دنیا کی بے ثباتی دکھلاؤں جس پر اس کو بڑا ناز ہے۔ اس لیے فلاطون نے کہا تھا، میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں یہ سُن کر بادشاہ نے دل میں تو یہی کہا کہ واقعی اس کے دماغ میں خلل معلوم ہوتا ہے اس کے پاس ضروری سامان تک نہیں یہ مجھے کھلاوے گا کیا، لیکن زبان سے یہ بات تو ادب کی وجہ سے کہہ نہ سکا کہ یہ عذر کیا کہ آپ کو فضول تکلیف ہوگی، افلاطون نے کہا کہ نہیں مجھے کچھ تکلیف نہیں ہوگی، میرا جی چاہتا ہے۔ جب اصرار دیکھا تو بادشاہ نے دعوت منظور کر لی کہ اچھا آجاؤں گا اور ایک آدھ ہمراہ بھی میرے ساتھ ہوگا افلاطون نے کہا نہیں مع لشکر اور وزراء امراء سب کی دعوت ہے۔ غرض ایک ساتھ دس ہزار کی دعوت کر دی اور لشکر معمولی نہیں خاص شاہی لشکر، بادشاہ نے کہا خیر خبط تو ہے ہی یہ بھی سہی، غرض تاریخ معین پر بادشاہ مع لشکر اور جملہ امراء کے افلاطون کے پاس جانے کے لیے شہر سے باہر نکلا تو کئی میل پہلے سے دیکھا کہ چاروں طرف استقبال کا سامان نہایت تزک واحتشام (۱) کے ساتھ کیا گیا ہے ہر شخص کے لیے اس کے درجہ کے موافق الگ الگ کمرہ موجود ہے اور دو طرفہ باغ لگے ہوئے ہیں، رات کا وقت تھا ہزاروں قندیل جگہ جگہ ناچ رنگ یہ نہریں اور وہ ایک عجیب منظر پیش نظر تھا اب بادشاہ نہایت حیران کہ یا اللہ یہاں تو کبھی کوئی ایسا شہر تھا نہیں غرض ہر شخص کو مختلف کمروں میں اتارا گیا اور ہر جگہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سامان فرش فروش جھاڑ فانوس، افلاطون نے خود آکر مدارات کی اور بادشاہ کا شکریہ ادا کیا، ایک بہت بڑا مکان تھا اس میں سب کو جمع کر کے کھانا کھلایا گیا کھانے ایسے لذیذ کہ عمر بھر کبھی نصیب نہ ہوئے تھے، بادشاہ کو بڑی حیرت کہ معلوم نہیں اس شخص نے اس قدر جلد یہ انتظامات کہاں سے کر لیے، بظاہر اس کے پاس کچھ جمع پونجی بھی نہیں معلوم ہوتی، یہاں تک کہ جب سب کھا پی چکے تو اب عیش وطرب کا سامان ہوا ہر شخص کو ایک الگ کمرہ سونے کے لیے دیا گیا جو ہر قسم کے ساز وسامان سے آراستہ پیراستہ، اندر گئے تو دیکھا کہ تتمیم لطف (۲) اور تکمیل عیش کے لیے ایک ایک حسین عورت بھی ہر جگہ موجود ہے۔

(۱) جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ (۲) لطف کی تکمیل کے لیے۔

غرض سارے سامان عیش وطرب کے موجود تھے، خیر وہ لوگ کوئی متقی پرہیز گار تو تھے نہیں اہل خانقاہ تھوڑا ہی تھے بلکہ خواہ مخواہ کے آدمی تھے، جیسے مشہور ہے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی (۱) یہ رنگ مہمانی کا دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور رات بھر خوب عیش اڑائے کیونکہ ایسی رات انہیں پھر کہاں نصیب ہوتی، یہاں تک کہ سو گئے۔

قوت تصرف

جب صبح آنکھ کھلی تو دیکھتے کیا ہیں کہ نہ باغ ہے بلکہ نزاراغ (۲) ہے، نہ درخت ہیں بلکہ نرے کرخت ہیں یعنی بجائے درختوں کے دیکھا کہ پتھر کھڑے ہوئے ہیں اور ایک ایک پُولا (۳) سب کی بغل میں ہے اور پاجامہ خراب ہے، یہ عورتیں تھیں بڑے شرمندہ ہوئے کہ لاحول ولاقوۃ یہ کیا قصہ ہے، بادشاہ کی بھی یہی حالت تھی، افلاطون نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ ساری دنیا جس پر تمہیں اتنا ناز ہے ایک عالم خیال ہے اور حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں، اس قدر قوی تصرف تھا، افلاطون کے خیال کا کہ پس اس نے یہ خیال جمالیا کہ ان سب کے متخیلہ (۴) میں یہ ساری چیزیں موجود ہوجائیں بس سب کو وہی نظر آنے لگیں جب وہ لوگ سو گئے اس نے اس خیال کو ہٹالیا، پھر صبح اُٹھ کر جو انہوں نے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا، افلاطون مجاہدہ وریاضت بہت کئے ہوئے تھا، اس لیے یہ قوت اس کے خیال میں پیدا ہوگئی تھی، یہ تصوف نہیں ہے تصرف ہے یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز ہے بس مزہ سب سرد ہوگیا، افلاطون نے کہا کہ جیسے تمہیں ان چیزوں میں مزہ آتا ہے مجھے بالکل نہیں آتا کیوں کہ مجھے ان کی حقیقت معلوم ہے تو واقعی جو کچھ نظر آیا وہ عالم خیال تھا، مسمریزم (۵) میں بھی جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی عالم خیال ہی ہوتا ہے اور یہ جو حاضرات واضرات ہے یہ بھی وہی ہے محض قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے روح ووح کچھ نہیں ہوتی، اسی واسطے بچوں پر یہ عمل چلتا ہے بچے کو آئینہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ دیکھو بھنگی آیا سقہ آیا اسے سچ مچ نظر آنے لگتا ہے کہ بھنگی آیا سقہ آیا یا عورتوں پر یہ عمل چلتا ہے کیونکہ اُن

(۱) پاری کا پھولا ہوا موٹا آدمی (۲) پہاڑ کے نیچے کا میدان (۳) گھاس پھونس کا گھٹا (۴) قوت خیالیہ میں (۵) دوسرے کے خیالات میں تصرف کرنے کو مسمریزم کہتے ہیں ایک جرمن طبیب کے نام پر جس نے اس نظریے کی بنیاد رکھی، غنودگی کی حالت جو عامل اپنے معمول پر اس کی قوت ارادی، نظام عصبی، اپنے ارادے یا خیال کی قوت سے طاری کرے۔

میں بھی عقل کم ہوتی ہے یا کوئی مرد ہو جو بہت ہی بے وقوف ہو اس پر بھی چل جاتا ہے اور اثر ڈالنے کے لیے بڑی بڑی ترکیبیں کرتے ہیں ناخن پر سیاہی لگا کر کہتے ہیں کہ نہایت غور کے ساتھ اس سیاہی کے اندر دیکھتے رہو، یہ اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ خیالات بالکل یکسو ہو جائیں، چنانچہ طلسمی انگوٹھی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں اس کا بھی یہی راز ہے ایک صاحب کے پاس طلسمی انگوٹھی تھی ان کے ایک دوست تھانہ دار تھے ان کے یہاں پیشانی پر زخم لگا تھا پھر وہ زخم اچھا ہو گیا تھا، وہاں بھی یہ شرط تھی کہ دیکھنے والا کوئی بچہ ہو یا عورت اور یہ عجیب بات ہے کہ خود عامل کو کچھ نظر آتا نہیں معمول کو نظر آتا ہے ان صاحب نے بچہ سے پوچھا کہ دیکھو داروغہ جی آئے تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا ہاں ایک شخص آئے تو ہیں انہوں نے پوچھا کیسی شکل ہے اس نے سارا حلیہ داروغہ جی کا بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ اُن کے ماتھے پر ایک لکیر سی ہے اس پر وہ صاحب بہت حیران ہوئے مجھ سے کہنے لگے کہ ایسی صورت میں ہم کیسے سمجھیں کہ یہ مکر وفریب ہے، میں نے کہا کہ یہ تمہارا خیال تھا واقع میں روح نہ تھی، انہوں نے کہا کہ ہاں صاحب واقع میں ٹھیک ہے میں نے کہا تم نے ایسی جلدی کیسے تصدیق کر دی کہنے لگے کہ دوران عمل میں جب میں کتاب دیکھنے لگتا تو وہ اس وقت کہتا کہ اب تو کچھ بھی نظر نہیں آتا، میں نے ان صاحب سے کہا کہ پھر بتلایئے اس کی کیا وجہ تھی، کیا آتے جاتے روح تھک گئی تھی یا لاحول لکھی ہوگی اس کتاب میں تو اس طرح سے ایسے تخیلات اور تصرفات ہوا کرتے ہیں غرض دنیا کی حالت کو تو ایسا ہی سمجھئے۔

گفت یا خوابے ست یا بادیست یا افسانہ (۱)

اعمال کے ثمرات

لیکن اگر کوئی آخرت کو بھی ایسا ہی سمجھنے لگے جیسا بعض فلاسفہ کا عقیدہ ہے تو یہ سراسر گمراہی ہے اور بالکل غلط عقیدہ، سو بعض کا تو یہ عقیدہ ہے جو مذکور ہوا کہ عالم آخرت میں اعمال ہی بشکل درخت وغیرہ متخیل ہوں گے اور ان میں واقعیت کچھ نہ ہوگی باقی جو نصوص کو مانتے ہیں ان کا یہ عقیدہ تو نہیں لیکن ان میں بعض مبتدعین جیسے معتزلہ جنت ونعمائے جنت کو فی الحال موجود نہیں مانتے، ان کو سرسری نظر سے کچھ تائید مل گئی، اس

(۱) ”یہ خواب ہے یا خیال یا افسانہ۔

حدیث سے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (۱) ہیں اس حدیث سے انہیں دھوکہ ہوا اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ کسی شیخ سے پڑھنا چاہئے وہ یوں سمجھے کہ جنت بھی خالی ہے اور دوزخ بھی خالی ہے ہم جیسے جیسے عمل کریں گے یہ عمل ہی اس شکل سے ظہور کریں گے، سو خوب سمجھ لیجئے یہ بھی غلطی ہے، واقع میں یہ سب چیزیں پہلے سے موجود ہیں مگر باوجود موجود ہونے کے، ہیں انہیں اعمال کے ثمرات، کیونکہ خدا تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ کون شخص کیا کیا عمل کرے گا، اسی کے مناسب جزا سزا کی صورت پہلے سے بنا کر اس کے وجود واقعی کی خبر دینے کے لیے یہ فرمادیا۔ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (۲) أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (۳) جیسے میزبان کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے مہمان کا مزاج علیل ہے اور وہ پہلے سے اس کے مزاج کے مناسب کھانا تیار کر کے رکھ دیوے تو وہ کھانا رکھا گیا مزاج ہی کی مناسبت سے یعنی سودا یا صفرا یا بلغم کے لحاظ سے پلاؤ یا اور کوئی چیز اس کے لیے تیار کی گئی ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی میزبان کو خبر ہی نہ ہو کہ میرے مہمان کا مزاج کیسا ہے وہ کیا پرہیزی کھانا کھاتا ہے لیکن حق تعالیٰ جو میزبان ہیں انہیں تو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے مہمانوں کے مزاج کی کیا کیا کیفیت ہے انہیں تو پہلے ہی مفصل علم ہے کہ میرا فلاں فلاں بندہ فلاں فلاں عمل کرے گا، پس اُن اعمال کے مناسب ہی جزاؤں کو مہیا فرما رکھا ہے، پس قیعان (۴) کے معنی یہ نہیں ہیں کہ واقع میں وہ قیعان ہے کیونکہ جنت کا مع نعمائے حسیہ (۵) بالفعل موجود ہونا تو منصوص ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ درجہ حصول فی الحال میں قبل صدور اعمال بمنزلہ قیعان (۶) کے ہے اور درجہ ذات میں قیعان نہیں (۷) ہے، حاصل یہ ہے کہ فی نفسہ قیعان نہیں بلکہ جنتیوں کے حق میں قیعان (۸) ہے۔ جیسے ایک شخص نے دس ہزار روپیہ اپنے خادموں کے لیے خزانہ میں جمع کر دیئے اور فی کام دس بیس پچاس روپیہ علیٰ قدر

(۱) ''اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑے ہیں'' (۲) '' کافروں کے لیے تیار کی گئی'' البقرہ: ۲۴ (۳) ''متقیوں کے لیے تیار کی گئی'' آل عمران: ۱۳۳ (۴) میدان کا مطلب (۵) جنت میں نعمتوں کا محسوس طریقہ پر موجود ہونا قرآن وحدیث میں مذکور ہے (۶) فی الحال حاصل ہونا بغیر اعمال کئے وہ مثل چٹیل میدان کے ہے (۷) اپنی ذات کے اعتبار سے خالی میدان نہیں ہے (۸) جنتیوں کے حق میں خالی ہے۔

مراتب نامزد کردیئے پھر وہ شخص سب کو خطاب کر کے یوں کہتا ہے کہ اتنا روپیہ خزانہ میں رکھا گیا ہے اگر تم خدمتیں کروگے تو خزانہ میں سب کچھ ہے ورنہ یوں سمجھو کہ بالکل خالی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل خدمتیں کرنے کے تمہارے حق میں گویا خزانہ خالی ہے جب خدمتیں کرنا شروع کردوگے تو اب سمجھو کہ وہ پُر ہوگا واقع میں تو وہ اب بھی پُر ہے لیکن تمہارے حق میں وہ جبھی پُر سمجھا جاوے گا جب تم خدمتیں کروگے تو معنی یہ ہیں حدیث کے کہ اعمال کے ثمرات تو پہلے سے مہیا کردیئے گئے ہیں لیکن ابھی وہ کسی کی ملک نہیں بنائے گئے جیسے جیسے بندے عمل کرتے جاتے ہیں وہ ثمرات ان کے نامزد ہوتے جاتے ہیں، اب اس تقریر پر سب اشکال رفع ہوگئے تو عالم مثال میں بھی حق تعالیٰ نے انہی اعمال کو پہلے سے متمثل فرمایا(۱) ہے اور جنت دوزخ میں بھی انہیں اعمال کی شکلیں پہلے سے پیدا فرمادی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ میرے بندے کیا کیا اعمال کریں گے، انہیں اعمال کی صورتوں کو جنت دوزخ بنادیا یہاں عالم مثال کے اثبات کا اور اس کے متعلق جو غلطی تھی اس کا بیان ختم ہوا۔

جزاء الاعمال

اب بعض جزئیات کا نمونہ کے طور پر حدیثوں سے حسب وعدہ ذکر تا ہوں اس غلطی پر متنبہ کرنے کے بعد اب ان جزئیات کا سننا مضر نہ(۲) ہوگا اور ان جزئیات کو اپنی کتاب جزاء الاعمال سے پڑھ کر سناتا ہوں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جاوے گی وہ قیامت کے دن سانپ کی شکل بن کر صاحب مال کے گلے میں بطور طوق (۳) کے ڈالا جاوے گا، قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا۟ بِهِۦ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ (۴) تو گویا وہ مال سانپ بن کر گلے کے درمیان ڈال دیا جاوے گا، تو دیکھئے ایسا مال قیامت کے دن اژدھا(۵) بن کر

(۱) ایک مثال پیدا فرمادی (۲) نقصان دہ (۳) گلے کا پھندا جو مجرمین کے گلے میں ڈالا جاتا ہے (۴) ''اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو (ضروری موقعوں پر) ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لیے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنادیئے جائیں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا'' آل عمران: ۱۸۰ (۵) سانپ۔

ظاہر ہوگا، رہی یہ بات اس میں اور اژدھا میں مناسبت کیا ہے سو مناسبت یہ ہے کہ مال جو ہوتا ہے وہ گلوگیر ہوتا ہے یعنی اس کا تعلق اور اس کی محبت قلب کو محیط ہوتی ہے اس وجہ سے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوجاوے گا، اس کے علاوہ اور مناسبتیں بھی نکل سکتی ہیں لیکن اس وقت احاطہ کرنا مناسبتوں کا مقصود نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ جو بدعہدی کرے گا اس کی بدعہدی کو جھنڈا بنا کر اس کی پشت پر گاڑ کر پکارا جاوے گا۔ ھذہ غدرۃ فلان یعنی یہ فلانے کی بدعہدی ہے کیونکہ بدعہدی ایسی چیز ہے کہ اس کی شہرت ہوجاتی ہے اور جھنڈا بھی ایک شہرت کی چیز ہے اس کے علاوہ اور بھی مناسبتیں ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوسکتی ہیں مگر غور کرنے کا وقت نہیں ہے اور حدیث میں ہے کہ کسی کی غیبت کرنا ایسے ہے جیسے مردہ کا گوشت کھانا یعنی مردہ کا اگر گوشت کھاؤ تو اس کو خبر نہیں ہوتی اسی طرح جس کی غیبت کی جاتی ہے اس کو اس وقت غیبت کی خبر نہیں ہوتی، نیز کسی کی آبرو لینا گویا اس کا گوشت نوچ لینا ہے، اسی واسطے بلا ضرورت جو بھیک مانگے اور جو اپنی آبرو کو اُتار دے بتصریح حدیث اس کا قیامت میں اس شکل سے ظہور ہوگا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا۔

انسان اور حیوان میں مناسبت

بعض چیزوں کی صورت مثالیہ کے بیان میں محققین نے فرمایا ہے کہ ہر خصلت ذمیمہ (۱) کو ایک جانور کے ساتھ خصوصیت خاصہ ہے جس شخص میں جو خصلت غالب ہوگی وہ قیامت میں اسی جانور کی شکل میں اُٹھے گا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو متکبر ہیں وہ چیونٹیوں کی شکل میں اُٹھیں گے، اس لیے کہ مناسبت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو مقابلہ کی مناسبت ہوتی ہے جیسے گرم دوا کو کہ سرد دوا سے مقابلہ کی مناسبت ہے اور ایک موافقت کی مناسبت ہے جیسے گرم دوا کو گرم دوا سے موافقت کی مناسبت ہے یہاں متکبر اور چیونٹی میں مقابلہ کی مناسبت ہے یعنی جو اپنے آپ کو کھینچتا تھا اس کو چیونٹی کی طرح زمین پر گھسٹایا جاوے گا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہوتے ہیں بعض جو بناؤ سنگھار کے شوقین ہیں وہ طاؤس (۲) کے مشابہ ہوتے ہیں بعضے خود پرور ہوتے ہیں مثل مرغی کے بعضے کینہ ور ہوتے ہیں مثل اونٹ کے بعض مشابہ مکھی

(۱) ہر بری عادت (۲) مور۔

کے ہوتے ہیں بعض مشابہ لومڑی کے امام ثعلبی نے فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (۱) کی تفسیر میں کہا ہے کہ قیامت میں یہ سب لوگ انہیں صورتوں پر محشور (۲) ہوں گے جس جانور کی عادت طبیعت پر غالب ہوگی قیامت میں اسی کی شکل بن جاوے گا۔

پس ہر آں خصلت کہ برتو غالب است پس برآں تصویر حشر واجب است (۳)

قرآن مجید میں ہے بنی اسرائیل کے قصہ اصطیاد میں كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (۴) اس کی حکمت بعض نے یہ ذکر کی ہے کہ چونکہ بندر حیلہ باز اور مکار ہوتا ہے اور انہوں نے بھی حیلہ کیا تھا شکار میں اس لیے بندر بنادیئے گئے اور بعض اشکال مثالیہ مولانا نے بھی ذکر فرمائے ہیں۔

چوں سجودی یار کوئی مرد گشت شد دراں عالم سجودِ او بہشت

چونکہ پرید از دہانت حمد حق مرغ جنت ساختش رب الفلق

چوں زدستت رفت ایثار و زکوٰۃ گشت ایں دست آں طرف نخل ونبات (۵)

پھر فرماتے ہیں:

خیر وجودت آب جوئے خلد شد جوئے شیر (۶) خلد مہر تست ودود (۷)

ان اشعار میں اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے: فِيهَا أَنْهَرٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ ءَاسِنٍ وَأَنْهَرٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُۥ وَأَنْهَرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّٰرِبِينَ وَأَنْهَرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (۸) اور فرماتے ہیں:

ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں مستی و شوق تو جوئے خمر بیں

ایں سیہا آں اثر ہارا نماند کس نداند چونش جائے آں نشاند (۹)

---

(۱) ''پھر تم لوگ گروہ گروہ ہوکر آؤ گے'' النبا:۱۸ (۲) انہی شکلوں پر اٹھائے جائیں گے (۳) ''پس ہر خصلت جو تجھ پر غالب ہے پس ہر اس صورت پر حشر واجب ہے'' (۴) ''ذلیل بندر بن جاؤ'' الاعراف:۱۶۶ (۵) ''پس جب کسی مرد نے کوئی سجدہ یا رکوع ادا کیا وہ اس کے عالم سجود میں بہشت بن گیا، جب تیرے منہ سے اللہ کی تعریف ادا ہوئی، اللہ نے اسے جنت کا پرندہ بنادیا، جب تیرے ہاتھ نے قربانی اور زکوٰۃ ادا کی تو اس ہاتھ کا وہاں کھجور کا درخت اور انگوری نباتات بن گیا'' (۶) ایک حدیث میں دودھ کا علم کی شکل مثالی ہونا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے کہ جنت میں دودھ کی مختلف نہریں ہوں بعض علم کی شکل ہوں اور بعض محبت وغیرہ کی ۱۲ منہ (۷) ''تیری نیکی وسخاوت بہشت کا پانی بن گیا، تیری محبت دودھ کی نہریں بن گئیں'' (۸) ''اس میں بہت سی نہریں پانی کی ہیں جس میں ذرہ برابر تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرہ برابر تبدیل نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جن کو پینے والے لذت محسوس کریں گے اور بہت سی نہریں صاف شفاف شہد کی ہیں'' (۹) ''تیرا ذوق وشوق عبادت شہد کی نہر بن گیا، تیرا شوق مستی شراب کی نہر بن گئی، کوئی آدمی اس کے اسباب نہیں جانتا اور کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اس جگہ کیوں بٹھایا''

اس طرح سے دور تک لکھا ہے خیر تو گویا مناسبتوں کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ایک اور بھی مضمون ہے جس سے مناسبتوں کی تقویت ہوتی ہے۔

مثالی شکلیں

مثلاً حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ وغیرہ کی صورت مثالی درختوں کی سی ہے اور سورۂ بقرہ اور آل عمران کی صورت مثالی مثل بادل کے ٹکڑوں یا پرندوں کے ہے، یہ حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید کو لایا جاوے گا اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے سو اس کے آگے آگے سورہ بقرہ اور آل عمران اس طرح ہوں گی جیسے دو بدلیاں ہوں یا دو سیاہ سائبان ہوں اور ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی۔ تو جیسے قرآن مجید سایۂ رحمت ہے اسی طرح یہ صورتیں بدلیوں اور سائبانوں کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ اور ان کے بیچ میں ایک چمک ہوگی وہ چمک کاہے کی ہوگی وہ ہے بسم اللہ کی یہ اہل حقیقت نے بیان فرمایا ہے اور حدیث میں ہے جو اعضا وضو میں دھوئے جاتے ہیں وہ قیامت کے دن چمکتے ہوئے نظر آویں گے گویا وضو جو ایک عمل ہے وہ قیامت کے دن نور کی شکل میں ظاہر ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دس دفعہ قل ھواللہ پڑھ لے گا اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار ہوجائے گا اس کی شکل مثالی محل ہے اور جو نیک کام کرکے مرجاوے اور وہ نیک کام ایسا ہو کہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے اس کی شکل مثالی چشمہ جاری کی سی ہے۔ چنانچہ حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون کے لیے خواب میں ایک چشمہ جاری دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان کا عمل ہے جو جاری ہوتا ہے ان کے لیے، دین کی شکل مثالی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل لباس کے ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ لوگ کرتے پہنے ہوئے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کرتا اتنا بڑا ہے کہ وہ اس کو زمین پر گھسیٹتے چلتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین سے تعبیر فرمایا جیسا قرآن مجید میں ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ(۱) اور علم کی شکل مثالی دودھ کی سی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خواب میں میرے پاس ایک پیالہ دودھ کا لایا گیا میں نے اس میں سے پیا یہاں تک کہ اُس کی سیرابی کا اثر

(۱) ''اور تقویٰ کا لباس وہ بہتر ہے'' الاعراف:۲۶۔

اپنے ناخنوں سے نکلتا پایا پھر بچا ہوا حضرت عمرؓ کو دے دیا لوگوں نے تعبیر پوچھی آپ نے فرمایا علم اور نماز کی شکل مثالی نور کی سی ہے کیونکہ نماز کی طرح نور میں بھی شان برہان اور ہدایت کی ہے۔

مثالی صورتیں

صراط مستقیم کی شکل مثالی مثل پل صراط کے ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حقیقت لکھی ہے جس سے یہ استبعاد بھی دفع ہوجاتا ہے کہ جب وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے تو پھر اس پر چلیں گے کیسے، سوانہوں نے اس کی حقیقت بتلادی ہے لیکن یہ تحقیق ظنی ہے محض تائید کے لیے ذکر کردی ہے، باقی نفس مسئلہ کہ اعمال کی مثالی صورتیں ہوتی ہیں یہ تو حدیث سے ثابت ہوچکا، وہ حقیقت پل صراط کی یہ لکھی ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کی تو اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔

اخلاقی حدود

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قویٰ (۱) سے اخلاق پیدا ہوئے ہیں وہ تین ہیں قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غضبیہ، حاصل یہ کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے (۲) رفع کے لیے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت (۳) کو سمجھے کہ یہ مضرت یا منفعت ہے وہ قوت مدرکہ قوت عقلیہ (۴) ہے اور ایک یہ کہ منفعت (۵) کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ قوت شہویہ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت (۶) کو سمجھ کر اس کو دفع (۷) کرے۔ یہ قوت دافعہ قوت غضبیہ (۸) ہے۔ غرض یہ قویٰ ہیں ایک کا نام قوت عقلیہ ہے ایک کا نام قوت شہویہ ہے ایک کا قوت غضبیہ، پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں پھر اُن اعمال کے تین درجے ہیں افراط وتفریط اعتدال (۹)، چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط (۱۰) یہ ہے کہ اتنی پڑھے کہ وحی کو بھی

(۱) قوتوں سے (۲) نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لیے (۳) نفع نقصان کو سمجھے (۴) اس کا ادراک کرنے والی قوت کو قوت عقلیہ کہتے ہیں (۵) فائدہ (۶) نقصان (۷) دور کرے (۸) نقصان دہ چیز کو دور کرنے والی قوت کو قوت غضبیہ یعنی غصہ کی قوت کہتے ہیں (۹) کمی، زیادتی، میانہ روی (۱۰) زیادتی۔

نہ مانے، جیسے یونانیوں نے کیا، تفریط(۱) یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل وسفہ(۲) تک اتر آئے، اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال حرام کی بھی تمیز نہ رہے، بیوی اجنبی سب برابر ہوجائیں اور ایک درجہ ہے تفریط یعنی ایسے پرہیزگار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں، اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جاویں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارلے دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آوے یہ تو افراط وتفریط تھا ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کا استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے، یہ اعتدال(۳) ہے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے، افراط تفریط اعتدال(۴)۔ ان سب درجوں کے الگ الگ نام ہیں جو قوت عقلیہ کا افراط درجہ ہے اس کا نام ہے جزیرہ جو تفریط کا درجہ کو سفاہت لکھتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے، اسی طرح قوت شہویہ کا افراط کا درجہ فجور ہے، تفریط کا درجہ خمود ہے، اعتدال کا درجہ عفت ہے اور قوت غضبیہ کا بڑھا ہوا درجہ تہور ہے(۵) گھٹا ہوا درجہ جبن ہے(۶)، اعتدال کا درجہ شجاعت ہے تو یہ نو چیزیں ہوئی جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہوئے اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے عدالت اسی لیے اس اُمت کا لقب ہے اُمت وسط یعنی اُمت عادلہ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں انسان بہت کم ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

زاہد شدی وشیخ شدی ودانشمند ایں جملہ شدی ولیکن انسان نشدی(۷)

اعتدال حقیقی

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب یہ سمجھئے کہ اعتدال حقیقی سب میں زیادہ مشکل

(۱) کمی (۱) جہالت و بیوقوفی (۳) میانہ روی (۴) کمی، زیادتی، میانہ روی (۵) تکبر (۶) بزدلی (۷) ''زاہد ہوئے شیخ ہوئے، دانشمند ہوئے، یہ سب کچھ ہوئے لیکن انسان نہ بنے''۔

ہے کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو کہ اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط ہو اور مشاہدہ سے اس کا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اوراس کی دشواری تلوار کی تیزی (۱) کی صورت میں ظاہر ہوئی اور اس کا اعتدال حقیقی بال سے زیادہ باریک ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ جب اعتدال وسط حقیقی ہوگا اور وسط حقیقی غیر منقسم ہوتا ہے (۲) کیونکہ اگر وہ منقسم ہوتو پھر خوداس میں طرفین اور وسط (۳) نکلیں گے تو وہ وسط حقیقی نہ رہا بہرحال وسط حقیقی کا غیر منقسم ہونا لازم ہے اور بال منقسم (۴) ہے تو وہ بال سے زیادہ باریک ہوگا، پس اس طریق شریعت کا وسط حقیقی ہونا اس شکل سے ظاہر ہوگا کہ وہ پل صراط بال سے زیادہ باریک ہوگا اس تشبیہ میں کوئی امر خلاف اصول عقلیہ (۵) لازم نہیں آیا اور اسی درجہ کے وسط (۶) ہونے سے اُس کا مشکل ہونا بھی لازم آیا کہ نہ اِدھر جاؤ نہ اُدھر جاؤ، بیچوں بیچ میں رہو بس یہ ہے حقیقت پل صراط کی وہ شریعت کی صورت مثالی ہے جس کا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہونا بدلائل ثابت کردیا گیا تو شریعت پر چلنے والے اب بھی پل صراط پر چل رہے ہیں جب یہ ہے تو جو یہاں پل صراط پر یعنی شریعت پر چل چکا ہے وہ وہاں بھی باآسانی چل سکے گا، کیونکہ وہ یہی تو ہے اب بتلائیے پل صراط پر چلنا کیا دشوار ہوا جو یہاں شریعت پر چل رہا ہے، اسے وہاں چلنا بھی آسان ہوجائے گا، سو پل صراط پر چلنے کا طریقہ بہت ہی آسان ہے اور وہ سنت کا طریقہ ہے یہی سنت بیچ کا رستہ ہے اسی کو فرماتے ہیں شیخ سعدی۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دریں راہ جز مرد واعی نرفت — گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت (۷)

(۱) جیسے تلوار کی دھار تیز ہوتی ہے اس کی کاٹ سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔اسی طرح شریعت میں اعتدال پر قائم رہنا بھی مشکل ہے (۲) وسط حقیقی درمیان میں تقسیم نہیں ہوسکتی (۳) اگر وہ بھی تقسیم ہوسکتے تو اس میں بھی تین درجہ ہوں گے کمی بیشی اعتدال (۴) بال کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پل صراط کے بال سے زیادہ باریک ہونا اس لیے قرار دیا کہ وہ شریعت کی صورت مثالی ہے اور شریعت نام اعتدال کا ہے جو افراط وتفریط کے درمیان درجہ ہے جو غیر منقسم ہے اس لیے وہ بال سے باریک قرار دیا گیا کہ بال تو تقسیم ہوسکتا ہے (۵) اس تشبیہ میں عقلی اصول کے خلاف کوئی بات لازم نہیں آئی (۶) بیچ و بیچ ہونے سے (۷) ''سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طے ہوسکتا ہے اس راہ میں سوائے فریاد کرنے والے شخص کے علاوہ کوئی نہیں گیا، پیچھے رہنے والا حاکم گم ہوگیا نہ پہنچ سکا''۔

غرض یہ ہے کہ سنت کا اتباع کر کے جو کہ طریق وسط ہے پل صراط پر چلنے کو آسان کر لینا چاہئے اور یہ طریق چونکہ نہایت دقیق اور غامض(۱) ہے جیسا معلوم ہوگا اسی وجہ سے اس طریق میں شیخ کی سخت ضرورت ہے خدا کی قسم میں کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی کتنا ہی بڑا عاقل ہو کتنا ہی بڑا عالم ہو اکثر بھی ہے اور یہ اکثر بھی میں نے احتیاطاً کہا ورنہ اس کلیہ میں سب ہی داخل ہیں کہ بدون(۲) رہبر کے بطور خود اس طریق کا کسی کو پتہ نہیں چل سکتا، یہ حال ہے اس طریق کا کہ ہر جگہ اشتباہ ہر موقع پر ہزاروں اشکال۔

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ہشدار و گوش رابہ پیام سروش دار(۳)

غضب ہے آج کل صراطِ مستقیم پر خود ہی چلنا مشکل ہے نہ کہ ہمت کر کے دوسروں کو بھی لے چلنا ہاں اذن ہو کسی کامل کی طرف سے تو یوں سمجھئے کہ ان کی برکت سے خدا مدد کرے گا ورنہ دوسروں کو لے چلنا ہر کسی کا کام نہیں۔

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند(۴)

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تارہ بیں نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی(۵)

ابھی تو پسر صاحب یونہی پَسر پَسر کر(۶) چل رہے ہیں اگر ابھی سے پدر بننے کی ہوس(۷) ہوئی تو پدَر پدر(۸) ہگیں گے ابھی تو پسر ہی(۹) بنے رہیں اگر پدر(۱۰) بن بھی گئے تو ایسے بنیں گے جیسے چھوٹی بچیاں گڑیاں کھیلا کرتی ہیں کہ یہ میری ممی ہیں یہ میرا مما ہے اور تو اس کی اماں ہے بس ایسے ہی آج کل کے پیر مرید ہیں جیسے گڈھے گڈھیوں کا کھیل کہ آج ایک ذرا سی گڑیا بنی اگلے دن دوسری بنی اور وہ لڑکی ہوگئی غرض اعتدال کا

(۱) بہت نازک اور نا قابل فہم ہے (۲) بغیر راہنما کے (۳) ''طریق عشق میں شیطان کے وساوس بہت ہیں ہوشیار رہو اور وحی کی طرف کان لگاؤ'' (۴) ''جو خود گم ہو دوسرے کی کیا راہبری کرے گا'' (۵) ''اے خبر کوشش کرتا کہ تو خود صاحب خبر بن جائے جب تک خود صحیح راستہ دیکھنے والا نہیں بنے گا راہبر کب بن سکتا ہے حقائق کے مکتب میں معلم عشق کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر تا کہ ایک دن تو خود بھی پدر (عارف) بن جائے'' (۶) ابھی تو صاحبزادہ آہستہ آہستہ چل رہے ہیں (۷) باپ بننے کی تمنا (۸) ڈھیرم ڈھیر پاخانہ نکل جائے گا (۹) ابھی تو بیٹا ہی بنے رہیں (۱۰) باپ۔

جو راستہ ہے اس میں اس قدر اشتباہ ہے کہ طریق محمود اور طریق مذموم میں تمیز ہونا(۱) دشوار ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بحر تلخ شیریں ہمعناں درمیان شان برزخ لا یبغیاں(۲)

اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دیکھئے اتنے بڑے عارف ہیں پھر بھی یہ فرماتے ہیں اور عارف ہی سمجھے گا کہ مشکل رستہ ہے۔

صد ہزاراں دام ودانہ ست اے خدا ماچو مرغان حریص بے نوا
دمبدم پا بستۂ دامِ نو ایم ہر یکے گر باز وسیمرغے شویم
میرہانی ہر دمے مارا و باز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز(۳)

فرماتے ہیں اے اللہ آپ ہی فضل کیجئے آپ ہی مشکلات طریق کو حل کیجئے ہمارا فہم کچھ کام نہیں کرتا دوسری جگہ طریق بتلاتے ہیں۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہستش ورق(۴)

وساوس وقرب

کیا رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ اپنی عنایت کا ظہور اس طرح کیا کہ اپنے مقبول بندوں کو اپنا نائب بنایا جنہوں نے رہبری فرمائی ورنہ سچ جانئے ہم لوگ کفر تک کو خیر سمجھ لیتے، مجھے خود اپنی حکایت یاد ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے حضرات کی صحبت میسر ہوگئی ورنہ باوجود علم حاصل کرلینے کے بھی اتنا جہل غالب ہوتا کہ اللہ کی پناہ وہ حکایت یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں میں نے ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاکر اپنی حالت عرض کی کہ حضرت مجھ پر خشیت (۵) بہت غالب ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے کوئی ایسی تدبیر بتلایئے ہم تو اپنے نزدیک بڑی دولت لینے گئے تھے لیکن مولانا نے

(۱) اچھے برے کی تمیز مشکل ہے (۲) ''بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر ان دونوں کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دونوں باہم مختلط اور مشتبہ نہیں ہوسکتے'' (۳) ''اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے بے آواز پرندوں کے ہیں، ہم ہر وقت ایک نئے جال میں گرفتار ہیں اگر ہم سب باز اور سیمرغ بن جائیں اے بے نیاز تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے پھر بھی ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں'' (۴) ''بغیر حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور خاصان حق کی مہربانی کے اگر فرشتہ بھی ہوگا تو اس کا نامہ اعمال سیاہ رہے گا'' (۵) خوف۔

فرمایا ہیں توبہ کرو توبہ کرو کفر کی درخواست کرتے ہو یعنی بالکل اطمینان ہوجانا کہ بس اب کیا ڈر ہے ایسی بے فکری تو کفر ہے یہ سُن کر بس آنکھیں کھل گئیں کہ جسے ہم بڑی معراج سمجھے ہوئے تھے وہ تو کفر نکلا۔ ایسے ہی بہت سے کفر مزعوم (۱) واقع میں خیر ہوتے ہیں، وہ کیا وسوسے طالب سمجھتا ہے کہ میں مردود ہوگیا، وساوس نے تمام ناس کردیا، میرے ایمان کا ہائے میں کافر ہوگیا، حالانکہ ان وساوس کی بدولت دمبدم قرب (۲) خدا تعالیٰ کا بڑھ رہا ہے کیونکہ

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ (۳)

اور یہ شخص سخت شکستگی اور بڑے مجاہدہ میں ہے اس لیے قرب بڑھ رہا ہے چاہے مجاہدہ اضطراریہ (۴) ہی سہی بلکہ مجاہدہ اضطراریہ تو اور بھی زیادہ نافع ہے (۵) کیونکہ یہ سخت ثقیل ہے بالخصوص اس مجاہدہ خاص میں تو بہت ہی شکستی اور پستی ہوتی ہے کیونکہ ہر وقت اپنی ناکارگی پیش نظر رہتی ہے اور اپنے آپ کو کافروں سے بھی بدتر سمجھتا ہے تو دیکھئے ایک جگہ تو کفر کو قرب سمجھ لیا اور ایک جگہ قرب کو کفر سمجھ لیا اب ذرا کسی غیر محقق سے تو پوچھ کر دیکھئے جو قیامت تک بھی اس کا ذہن اس تحقیق کی طرف جاوے یوں اب سُن کر تو سب کے گھوڑے دوڑنے لگیں گے لیکن یہ گھڑ دوڑ بھی اول تو کہاں تک کیونکہ ایسی ایسی باتیں ہزاروں پیش آتی ہیں پھر جس کو خود ذوق حاصل نہ ہو اس کے محض نقل کردینے سے کہیں تسلی ہوتی ہے؟ اور شیخ کامل چاہے وہ پڑھا لکھا بھی نہ ہو لیکن وہ جو کچھ بتائے گا سمجھ کر بتائے گا اور چونکہ وہ صاحب ذوق ہے اس لیے اس کے بتانے میں بھی اثر ہوگا، دوسرے نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ یوں ہی سنی سنائی بے پَر کی اڑادی اس سے کیا ہوتا ہے تو بہرحال یہ شریعت ہے ہی پل صراط کی حقیقت اور روح۔

ظاہر و باطن کا فرق

پل صراط اب بھی قائم ہے یعنی یہی شریعت یہاں پر اس شکل سے ظاہر ہے وہاں پر اُس شکل سے ظاہر ہوجاوے گی یعنی دونوں جگہ ایک ہی چیز ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہاں حقیقت ہے وہاں صورت ہوگی جیسے کبھی جبرئیل علیہ السلام کسی خاص صورت اعرابی (۶) وغیرہ

(۱) جن کو آدمی کفر سمجھتا ہے حقیقت میں خیر ہوتے ہیں (۲) ہر لحہ (۳) ''حق سبحانہ تعالیٰ کا فضل وکرم سوائے شکستہ دلوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا'' (۴) غیر اختیاری مجاہدہ ہی صحیح (۵) مفید (۶) کسی انسانی شکل وصورت میں

میں متمثل ہوکر تشریف لاتے تھے یا کوئی اور روح کبھی متمثل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ بعضے بزرگوں کو حق تعالیٰ نے یہ تصرف عطا فرمایا ہے کہ جس صورت میں چاہیں ظاہر ہوجائیں، مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے والد آگرہ میں تھے قاضی میر زاہد ہروی کے پاس ایک بار حضرت شیخ شیرازی کے دو شعر پڑھ رہے تھے چوتھا مصرعہ یاد نہ آتا تھا یعنی

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت ست(۱)

تیسرے مصرعہ پر آ آ کر رُک جاتے تھے بہت تنگ ہورہے تھے کہ دفعتاً ایک شخص کمبل اوڑھے ظاہر ہوئے جب وہ تیسرا مصرعہ پڑھ چکے تو اس شخص نے برابر سے نکل کر فوراً یہ چوتھا مصرعہ پڑھ دیا

علمے کہ رہ حق نماید جہالت ست(۲)

بس کھل گئے دوڑے اور جا کر مصافحہ کیا پوچھا آپ کا اسم شریف، کہا

فقیر را مصلح الدین شیرازی میگویند(۳)

یعنی عالم یقظہ (۴) میں بیداری میں حضرت شیخ سعدی کی روح نے متمثل (۵) ہوکر مصرعہ بتادیا، یہ کرامت ہے۔ ایک حضرت قضیب البان کی حکایت ہے یہ حکایت میں نے کتاب میں بھی دیکھی ہے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے بھی سنی ہے بعض اہل ظاہر نے ان حضرت پر قتل کا فتویٰ لگادیا تھا جو بے بنیاد ثابت ہوا، اسی واسطے ایسے امر میں محققین کا فیصلہ معتبر ہے جو جامع شریعت وطریقت ہوتے ہیں خشک لوگ سمجھتے ہی نہیں حقیقت کو وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں اور جو محقق ہوگا وہ دیکھے گا ظاہر کو بھی اور باطن کے حالات کو بھی جن سے بعض اوقات ظاہر کا حکم بھی بدل جاتا ہے میں اس ظاہر وباطن کے اختلاف کے متعلق ایک واقعہ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں۔

ایک بار حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بلا اجازت چلے گئے، حضرت جنیدؒ کے پاس ان کی بیوی بیٹھی تھیں وہ بھاگنے لگیں، حضرت جنیدؒ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا کہ بیٹھی رہو ان کو اس وقت غیبت ہے وہ کہنے لگیں کہ اچھے خاصے تو ہیں،

(۱) ''وہ علم جو راہ حق نہ دکھائے جہالت ہے'' (۲) ''وہ علم جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے'' (۳) ''فقیر کو مصلح الدین شیرازی کہتے ہیں'' (۴) جاگتے ہوئے (۵) شیخ سعدی کی روح اس درویش کی شکل میں ظاہر ہوگئی۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہیں کیا تم بیٹھی بھی رہو تم ان کی حالت کیا سمجھو، غرض حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آ کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھ گئے اب یہ بھاگی جاتی ہیں کہ غیر مرد کے سامنے میں کیسے بیٹھی رہوں بار بار اُٹھنے کو ہوں مگر حضرت جنید ان کو روک لیں پھر حضرت شبلی نے حضرت جنید سے باتیں جو کرنی شروع کیں تو نہایت ہوش کی کسی بات سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں برابر بیٹھے حقائق ومعارف بیان کرتے رہے اب وہ ان ہوش کی باتوں کو سُن سُن کر بیچاری اور بھی پریشان ہوں اور اٹھیں لیکن حضرت جنید ہاتھ پکڑ پکڑ کر بٹھالیں کہ تمہیں کیا وہم ہوگیا، یہ شخص اپنے ہوش میں ہی نہیں ہے اور لطف یہ کہ گفتگو نہایت مسلسل اور جو کچھ پوچھا جائے اس کا نہایت معقول جواب دیں۔ غرض بظاہر کوئی صورت ایسی نہ تھی کہ دیکھنے والا ان کو بیہوش سمجھ سکے اسی دوران میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون جو بیان فرمایا اس پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بس اب بھاگ جاؤ، اب ان کی وہ حالت جاتی رہی اب انہیں افاقہ ہوگیا اب یہ ہوش میں آ گئے یعنی جو بعد میں غلبہ گریہ سے مغلوبیت کی حالت معلوم ہوتی تھی اس میں تو ہوش تھا اور جو ابتدا میں بظاہر ہوش کی حالت تھی اس میں بے ہوشی تھی تو حضرت احوال باطنی کی تشخیص کے لیے مشخص اور نباض بھی (۱) کامل ہی چاہئے اس واسطے ایسے امور میں نہ محض اہل ظاہر کا فتویٰ معتبر ہے نہ محض اہل باطن کا جامع محض کی ضرورت ہے اگر کوئی محض اہل ظاہر ہوتا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فتویٰ لگا دیتا کہ بی بی کو نامحرم کے پاس بٹھلا رکھا ہے۔

تصرف کی قدرت

غرض حضرت قضیب البان پر اہل ظاہر نے فتویٰ قتل کا لگا دیا تھا قاضی دُرّہ لے کر ان کے پاس پہنچے ایک مقام پر دیکھا کہ آ رہے ہیں چاہا کہ وارو گیر کریں بس فوراً ہی ایک قالب کے ستر قالب (۲) ہوگئے کوئی داڑھی والا کوئی بے داڑھی کا کوئی رومی شکل میں کوئی فوجی شکل میں، آواز دی کہ لو اپنے مجرم کو پہچان لو، قاضی جی حیران کہ یا اللہ ان میں سے کس کو گرفتار کرلوں آخر قضیب البان ان میں کس کو سمجھوں کس کو نہ سمجھوں سب کو

(۱) تشخیص کرنے والا نباض طبیب بھی تو کامل ہو (۲) ایک جسم کے جسم نظر آنے لگے۔

کس بناء پر گرفتار کرلوں۔ غرض اپنے سامنہ لے کر قاضی جی چلے گئے، قضیانی (۱) کے پاس۔ اسی طرح بعض بزرگوں کا وفات کے بعد بھی اذن حق سے ظہور ہوجاتا ہے اس عالم میں، یہ نہیں کہ وہ اس وقت اُس عالم میں نہیں رہتے یہ بات نہیں بلکہ روح وہیں رہتی ہے، حقیقت اس کی یہ ہوتی ہے کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن خیر چونکہ اس موقع پر ضرورت ہے اس لیے کہے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عناصر میں تصرف کرنے کی قدرت عطا فرماتے ہیں، بس انہوں نے جب چاہا عناصر میں تصرف کیا اور فوراً ایک جسد تیار کرلیا، یعنی وہ جسم عناصر ہی سے بنا ہوا ہوتا ہے اور خدا نے انہیں ایسی قوت دے رکھی ہے کہ ایک جسد (۲) بنالیں دو بنالیں جتنے چاہیں بنالیں غرض وہ جس قسم کے چاہیں اور جتنے چاہیں اجساد تیار کرسکتے ہیں تو وہ خود تو اُسی عالم میں رہتے ہیں لیکن ان کا ظہور یہاں اس شکل میں ہوتا ہے تو وہ عالم ارواح میں بھی رہتے ہیں اور یہاں بھی وہاں اور شکل ہوتی ہے، یہاں اور شکل میں ظہور ہوتا ہے اسی طرح حقائق اعمال، عالم شہادت میں بھی موجود ہیں اور عالم آخرت میں بھی گوالوان (۳) مختلف ہوں۔ بقول شاعر

عباراتنا شتی و حسنك واحدٌ وكلّ الى ذاك الجمال يشير (۴)

اعمال کی صورتیں

یہی وجہ ہے کہ جنت میں جب نعمتوں کو دیکھیں گے فوراً پہچان لیں گے کہ یہ وہی تو اعمال ہیں جو ہم نے دنیا میں کئے تھے، کیا اپنی نماز روزہ کو نہیں پہچانتے جس طرح قیامت میں ہر روح اپنے جسد کو پہچان لے گی کیونکہ جس قالب میں مدتوں رہ چکی ہے کیا اُسے پہچانے گی نہیں؟ مولاناؒ نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ جیسے اندھیری رات میں ہر شخص اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح روحیں بھی اپنے اپنے جسد کو پہچان لیں گی بعض نے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا (۵) یہی تفسیر کی ہے یعنی جب کوئی پھل جنت میں دیا جائے گا تو جنتی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا، یہ تو ترجمہ ہے اب اس کی دو تفسیریں ہیں

(۱) اپنی بیگم کے پاس (۲) ایک جسم بنالیں (۳) رنگ (۴) ''ہماری عبارتیں متعدد ہیں اور آپ کا حسن و جمال ایک ہے اور یہ سب آپ کے جمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں'' (۵) سورۃ البقرہ: ۲۵۔

ایک تو یہ ہے ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا سے مراد فواکہ[۱] اور مِنْ قَبْلُ سے مراد جنت ہے یعنی جب انہیں کوئی پھل ملے گا تو اُسے دیکھ کر کہیں گے کہ آہا یہ تو وہی ہے جو ہم کو ابھی ملا تھا کیونکہ صورت یکساں ہوگی مگر جب توڑ کر کھائیں گے تو اور ہی مزا پائیں گے، ایک تو تفسیر یہ ہے اور بہت سے مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ ھٰذَا سے ثمرات وفواکہ[۲] مراد نہیں بلکہ اعمال مراد ہیں اور مِنْ قَبْلُ سے مراد دنیا یعنی وہ یوں کہیں گے کہ یہ تو وہی عمل ہے جس کی توفیق ہمیں دنیا میں ہوئی تھی اُسی کی شکل یہاں انار کی ہوگئی اور امرود کی ہوگئی تو اس کی تفسیر پر اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو نعمائے جنت ہیں وہ صورتیں ہیں یہیں کے اعمال صالحہ[۳] کی یہ ہے ارتباط ان اعمال کا نعمائے جنت کے ساتھ، جب یہ بات ہے تو جب کوئی عمل کیا بس یقین کرلو کہ جنت کا ایک مکان ہمارے قبضہ میں آ گیا پھر مکرر کیا تو دوسرا مکان تیار ہوگیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے فکر ہوجاؤ مگر ہاں یہ فکر مت کرو کہ نہ معلوم اعمال کر کے بھی جنت ملے گی یا نہیں کیونکہ اعمال صالحہ کا ثمرہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ جنت یقینی ہے۔

خوف وبیم

البتہ یہ فکر رکھو کہ دیکھئے کہیں ہمارے اس نماز روزہ کے ضبط اور خبط[۴] ہونے کی نوبت نہ آجائے اور اس وجہ سے ان نعمتوں سے بھی محرومی رہے جو ہمارے نماز روزہ پر مرتب ہونے والی ہوں مثلاً خدانخواستہ خدا نہ کرے ہم کہیں اپنا ایمان ہی نہ دے بیٹھیں کیونکہ نفس کا کیا اعتبار ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علت ابلیس انا خیر بدست — ایں مرض در نفس ہر انسان ہست[۵]

انسان کے اندر آخر بری بری صفتیں بھی تو ہیں ہی موجود اللہ اکبر اگر وہ اچھی جگہ صرف نہ ہوں تو پھر کیا ٹھکانا ہے، اب یہ بیواؤں کے نکاح ہی کا قصہ ہے، سب جانتے ہیں کہ سنت ہے لیکن پھر طعن کرتے ہیں، جو کفر ہے، اللہ بچاوے یہ عار ایسی چیز ہے اور خودرائی کہ کفر تک پہنچادیتی ہے۔ اینٹھ[۶] مروڑ ایسی چیز ہے تو مادہ کفر کا موجود ہے ہی صرف رگڑ کی کسر ہے اس واسطے بس ہمیشہ ڈرتا ہی رہے اور ترساں لرزاں رہے

(۱) پھل (۲) پھل اور میوے مراد نہیں (۳) جنت کی نعمتیں ان ہی نیک اعمال کی شکلیں (۴) ضائع ہونے کے (۵) ''علت ابلیس کہ میں اس سے افضل ہوں یہ مرض ہر انسان کے نفس میں ہے'' (۶) بلاوجہ اکڑنا۔

کہ خدا جانے ہم کیا کر بیٹھیں گو ہم کریں گے خود ہی مگر خدا جانے کیا کر بیٹھیں کہ کیا کرایا سب ایک دم اکارت(۱) ہوجائے تو یہ معنی ہیں خوف اور بیم کے اور یہ مطلب ہے الایمان بین الخوف والرجاء(۲) مگر اعمال صالحہ کے اثر میں تردد اور شک نہ کرے کہ باوجود اعمال صالحہ ہونے کے بھی خدا جانے جنت ملے یا نہ ملے میں اس شک کو رَد کر رہا ہوں ہاں اپنے اوپر اطمینان نہ رکھے کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو حابط اعمال(۳) ہو مگر ایسا شک مانع نہیں ہوتا طبیعت کے ابھارنے میں اس جگہ پر وہی مثال نینی تال والی یاد دلاتا ہوں یعنی ایک تو باوجود سارے سامان مہیا کر لینے کے نینی تال تک پہنچ سکنے کی تکذیب ہے اور ایک یہ احتمال ہے کہ شاید چلنے کے زمانہ میں اپنی غفلت سے ٹکٹ گر جائے اور راستہ ہی میں اتار دیئے جائیں یا مثلاً آگے تانگہ کا کرایہ بھی تو دینا ہے اگر سارا روپیہ راستہ کی فضول خرچیوں میں اڑا دیا تو پھر نینی تال کیونکر پہنچ سکیں گے، ایک یہ صورت ہے احتمال کی یہ تو چلنے کی حالت کا شک ہے مگر یہ شک اس طبیعت کے اُبھار کا ہرگز مانع نہیں ہوتا جو نینی تال کے حالات سن کر پیدا ہوتا ہے تو شکایت یہ ہے کہ نینی تال کا حال سن کر تو طبیعت میں ابھار پیدا ہوجاتا ہے مگر جنت کی نعمتوں کا ذکر سن کر اُبھار کیوں نہیں پیدا ہوتا، آخر وجہ کیا فرق کی، تو جناب آفت تو یہ ہے اس کی ہی شکایت اور اسی کا علاج میں نے بتایا ہے مجمل طور پر، حاصل اس علاج کا یہ بتایا ہے کہ اعمال صالحہ اور نعمائے جنت میں ایک خاص ارتباط ہے اس ارتباط کو مستحضر(۴) رکھ کر طبیعت کو ابھارنا چاہئے اور قوی رکھنا چاہیئے کہ اگر اعمال کریں گے تو جنت ضرور ملے گی یہ تو گویا ایک اجمال ہوا۔

اعمال واسرار

آگے اس اجمال کی کچھ تفصیل ہے یعنی خاص خاص اعمال کے ارتباطات خاص(۵) خاص نعمتوں کے ساتھ جنہیں میں بزرگوں کے اقوال سے یا قرائن سے جو موجب تائید ہوں گے بیان کر رہا ہوں لیکن یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اُن ارتباطات مفصلہ پر اعتقاد جازم رکھا جاوے کیونکہ یہ قرآن جیسی قطعی نہیں لیکن بعضی آیتوں کی تفسیر ظنی بھی تو

(۱) ضائع (۲) ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے'' (۳) اعمال کو ضائع کرنے والا (۴) ایک خاص جوڑ ہے اس کو ہر وقت پیش نظر رکھے (۵) خاص خاص اعمال کا تعلق خاص خاص نعمتوں کے ساتھ ہے۔

موثر ہوتی ہے اسی کو میں نمونہ کے طور بیان کر رہا ہوں اسی قصد سے میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے مجھے یہ بتلانا ہے کہ جنت میں جو یہ چار نہریں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے وہ کن کن اعمال کی صورتیں ہیں لیکن جو مقدمات میں بیان کر چکا ہوں ان کو برابر مستحضر (۱) رکھا جائے کیونکہ میں ہر ہر موقع پر ان کا اعادہ کہاں تک کرسکتا ہوں، پھر بھی باوجود تاکید کے جو کوئی ان مقدمات کو بھلا دے گا اس پر مقدمہ قائم ہوگا، ہم نے اپنی طرف سے اچھی طرح سارے پہلوؤں کا انتظام کر دیا ہے پھر بھی اگر کوئی گمراہ ہو تو وہ اپنے ہاتھوں گمراہ ہوگا، ہم ذمہ دار نہیں، اسی وجہ سے ایسے مضامین میں بہت کم بیان کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو شبہ ان کے حقائق ہونے کا نہ ہو جائے، پھر یہ بھی ہے کہ لطائف ونکات پر بفضلہٖ تعالیٰ ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں بلکہ حقائق ہی پر نظر ہے اور سچ یوں ہے کہ بضرورت ہی ایسے مضامین کو بیان کرنا چاہئے ورنہ ان لطائف میں مشغول ہونا ہی خطرناک مگر یہ نہیں ہے کہ ہمارے حضرات کو اطلاع نہیں ہے اسرار کی۔ اطلاع سب کچھ ہے مگر اول تو اُن کو قابل وقعت نہیں سمجھتے کیونکہ محض ظنیات ہیں، پھر ان کے اظہار میں عوام کے فسادِ عقیدہ کا بھی اندیشہ ہے چنانچہ دیکھ لیجئے مجھے کتنے مقدمات ملانے پڑے، اپنے حضرات کے مطلع علی الاسرار ہونے پر تو میں وہ شعر پڑھا کرتا ہوں

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۲)

واقعی یہی بات ہے سب کچھ اس تھیلہ میں مگر بعضی بات کا کہنا ہی مصلحت نہیں ہوتا یعنی ایک تو اعمال ہیں اور ایک ہیں اسرار اعمال، اعمال کو تو اپنے حضرات خوب کھول کھول کر بیان کرتے ہیں لیکن اسرار اعمال کا بیان پسند نہیں کرتے، الا بضرورت ایسے ہی مصالح احکام کا بھی بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے الا بضرورت چنانچہ اس کے متعلق میں نے کچھ لکھا بھی ہے۔

مصالح عقلیہ

مصالح عقلیہ ایک کتاب ہے اس میں میں نے ایک مقدمہ لکھا ہے نہایت

(۱) پیش نظر (۲) ''مصلحت نہیں کہ راز افشاں کیا جائے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی خبر نہ ہو''

لطیف نہایت نفیس میں اس کی اس حیثیت سے تعریف نہیں کررہا ہوں کہ وہ میری تقریر ہے اور اپنی تقریر محبوب ہوا ہی کرتی ہے مقرر سے کیا بحث ہے وہ تقریر دراصل ہے ہی اچھی اگر وہ تقریر دوسرے کی بھی ہوتی تب بھی میں اس کی ایسی ترغیب دیتا کیونکہ وہ بہت ہی ضروری ہے تو میں مصالح عقلیہ کے مقدمہ کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دیکھنے کے قابل ہے اگر کسی کو مصالح کے مطالعہ کا شوق ہو اُس کے لیے تو نہایت ہی ضروری ہے اس کا پہلے سے دیکھ لینا، ورنہ ضرور ضرر(۱) ہوگا اس واسطے کہ علوم اسرار غامض ہوا(۲) کرتے ہیں اور میں نے بھی اس وقت محض تقلیداً لبعض العلماء(۳) بیان کردیئے ورنہ میرا اصلی مذاق یہ نہیں ہے یوں سمجھئے کہ مہمانوں کی خاطر سے چٹنی دسترخوان پر رکھ دی ہے (چنانچہ چند خاص مہمانوں ہی کی تحریک سے یہ وعظ بیان فرمایا گیا تھا جن میں سے بعض پیرزادے تھے اور بعض بوجہ دوسرے سلسلہ میں ہونے کے متعارف دَرویشانہ مذاق رکھتے تھے ۱۲) کسی کا بغیر چٹنی کے منہ ہی نہ چلے تو کیا کیا جائے، ہاں جس کے مذاق کے موافق نہ ہو وہ ساری تقریر کو بھلادے لیکن جو شخص جزئیات کو بھی یاد رکھنا چاہے، اُسے کلیات کا بھلا دینا جرم ہے، اگر وہ کلیات کو بھلاوے گا تو کلیات یعنی کلہیوں(۴) میں رکھا جاوے گا، یعنی جیل خانوں میں، کیا معنی کہ تنگی میں پڑے گی اُس کی روح۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

نکتہا چوں تیغ پولا ست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ رانبود حیا(۵)

اور جنہوں نے بے دھڑک ان مضامین کو بیان کردیا ہے اور کسی قسم کی احتیاط نہیں کی تو ان پر مولانا سخت ناراض ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخنہا عالمے را سوختند(۶)

(۱) نقصان ہوگا (۲) اسرار کے علوم گہرے ہوتے ہیں (۳) بعض علماء کی پیروی کرتے ہوئے (۴) چھوٹی چھوٹی گڑویاں (۵) ''تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال (حفاظت کا سامان) نہ ہو تو واپس ہوجا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا کیونکہ تلوار کو کاٹتے وقت کسی کا لحاظ اور شرم نہیں ہوتی'' (۶) ''وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کرلیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلادیا''

سبحان اللہ کیسے محقق شخص ہیں، یہ فرماتے ہیں:

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخنہا عالمے را سوختند (۱)

مگر باوجود اس کے خود بھی کہیں کہیں نکتے بیان کرنے لگتے ہیں مگر بضرورت اور مخاطب کے فہم کا ہر موقع پر لحاظ کرکے چنانچہ عالم مثال کی صور بیان کرتے کرتے جوش میں حق تعالیٰ کی بھی بہت سی مثالیں بیان کر گئے، پھر سب کچھ بیان کرکے آخر میں سب کی نفی فرمادی اور تنزیہ کو یہ کہہ کر ظاہر کردیا۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من و تمثیل من (۲)

دہن اور ذہن

آگے وجہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ ہے تو پھر کیا وجہ مثال دینے کی۔ وجہ یہ ہے کہ بغیر مثال دیئے بھی تو چین نہیں آتا

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت (۳)

ورنہ وہ مثال سے بالکل پاک ہیں اُن کی تو یہ شان ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی (۴)

اور یہ شان ہے:

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ماہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم (۵)

مگر باوجود اس کے خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (۶) اسی طرح مولانا نے بھی تشبیہیں دی ہیں مگر چونکہ شبہ تھا کہ کوئی گستاخ ان تشبیہوں کی بناء پر کہیں حضرت حق کی تنزیہ (۷) کا منکر نہ ہوجائے، اس لیے آخر میں اپنی تشبیہوں کی حقیقت کھولتے ہیں:

---

(۱) ''وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کرلیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلادیا'' (۲) ''اے وہ ذات عالی جو میرے وہم اور قیل وقال سے افزوں ہے مجھ پر اور میری مثال پر خاک'' (۳) ''عاشق کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لیے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کرکے اپنی تسلی کرتا ہے'' (۴) ''نہ ان کے حسن کی انتہا نہ سعدیؒ کے کلام کی، جیسے جالندھر کا مریض پیاسا مرجاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے'' (۵) ''دفتر تمام ہوگیا اور عمر انتہا کو پہنچ گئی مگر ہم ایسے ہی پہلے وصف ہی کررہے ہیں'' (۶) النور: ۳۵ (۷) اللہ تعالیٰ کے بے مثل ہونے کا منکر نہ ہوجائے۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من وتمثیل من(۱)

پھر کیوں مثال دی۔ آہ

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت(۲)

میں کہتا ہوں کہ اگر ذہن(۳) سے مثال نہ بھی دی تو ذہن(۴) میں تو کوئی نہ کوئی تصور ضرور آوے ہی گا، پھر ذہن اور ذہن میں فرق کیا۔ اگر ایسے ہی تشبہ سے بچتے ہو تو پھر تصور بھی مطلق تنزیہ کا کرو اور یہ ممکن نہیں کیونکہ انسان جب حق تعالیٰ کا تصور کرتا ہے کچھ نہ کچھ قیود اس کے ساتھ ضرور ہوتے ہیں اگر کچھ قیود نہ ہوں تو پھر تصور ہی میں آنا محال ہے، اسی لیے انسان بس اسی کا مکلّف ہے کہ جہاں تک رعایت تنزیہ کی ہو سکے کرے۔ باقی حق تعالیٰ کی کنہ ذات کا تصور میں لانا محال ہے۔

در تصور ذات او را گنج کو(۵)

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کس کو کہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ جو عقل میں نہ آوے، پھر اس نے پوچھا کہ عقل کسے کہتے ہیں انہوں نے کہا جو خدا کو پاوے اور وہ پانا بھی اس شان سے ہوگا۔

اے برتر از قیاس وخیال وگمان ووہم واز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم(۶)

باقی اضطراراً(۷) کچھ نہ کچھ تو تصور خدا تعالیٰ کا پھر بھی آوے ہی گا، چاہے یہی آوے کہ قیود سے پاک ہے مگر اس کی پاکی کی بھی تو ایک نہ ایک ہیئت ذہن میں ہوگی سو وہ ایسی پاکی سے بھی پاک ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ وزگراں جانی و چالاکی ہمہ(۸)

یعنی جیسی پاکی تم بیان کرتے ہم اُس سے بھی پاک ہیں مگر باوجود اس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے تصور کرنے سے منع نہیں کیا کیونکہ جانتے تھے کہ

---

(۱) ''اے وہ ذات عالی جو میرے وہم اور قیل وقال سے افزوں ہے مجھ پر اور میری تمثیل پر خاک'' (۲) ''عاشق کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لیے وہ آپ کے واسطے اچھی سے اچھی تمثیل بیان کرکے اپنی تسلی کرتا ہے'' (۳) منہ (۴) دماغ (۵) ''ہمارے تصور میں حق تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے ہمارے تصور میں جو کچھ آتا ہے اس کی تو مثال ہے'' (۶) ''اے وہ ذات عالی جو ہمارے قیاس، خیال، گمان اور وہم سے بڑھ کر ہے جو کچھ ہم نے پڑھا، سنا اور کہا ہے'' (۷) غیر اختیاری طور پر (۸) ''جیسی پاکی تم بیان کرتے ہو ہم اس سے بھی پاک ہیں، ہم ہر طرح کی سستی اور چالاکی سے بھی پاک ہیں''۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت(۱)

مگر اسی میں کبھی مستی بڑھ جاتی ہے تو حد سے بڑھ جاتا ہے اور یہ کہتا ہے

کہ ترا گوید زمستی بوالحسن یا صغیر السن یا رطب البدن(۲)

واقعی مولانا بڑے محقق ہیں یہاں مستی بڑھادی تاکہ اعتراض واقع نہ ہو کیونکہ مستی میں مغلوب ہوکر حدود کی رعایت کا ہوش نہیں رہتا، جیسے شبان کہ وہ مغلوبیت عشق میں حق تعالیٰ سے ایسے ایسے خطابات کررہا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت شاق گزرے چنانچہ انہوں نے سختی کے ساتھ اجتناب کیا وہ بیچارہ ڈر گیا اور سہم گیا اور کہنے لگا

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی وز پشیمانی تو جانم سوختی(۳)

مگر اس کی نسبت کیا فیصلہ ہوا، وہاں سے یہ فیصلہ ہوا

موسیا آداب داناں دیگر ند سوختہ جان درو انان دیگر ند

عاشقاں را ہر نفس سوزید نے ست بردہِ ویراں خراج وعشر نیست(۴)

گر خطا گوید وراخالی مگو ور شود پرخوں شہید آنرا مشو

خوں شہید نرا زآب اولیٰ ترست ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست(۵)

کیونکہ وہ مغلوب ہے وہ آداب کا مکلّف نہیں ہے وہ سکر میں جاہل ہے جانتا نہیں ہے کہ کون سی بات کہنے کی ہے کون سی نہیں، اس واسطے ان مثالوں میں گنجائش ہوتی ہے اسی طرح اگر کوئی اعمال کی امثلہ بضرورت بیان کردے جس کی نصوص سے تائید ہوتی ہو تو کیا حرج ہے اس کی ضرورت یہ ہے تاکہ ایک قسم کی قوت پہنچے طبیعت کو اور رغبت ہو اعمال کی اس بناء پر یہ سب تقریر کی گئی ہے اور اب تک جو میں نے تقریر کی ہے وہ زیادہ تر بطور کلیہ کے بیان کی گئی ہے اور اب اس آیت کے متعلق میں مضمون تمثل

(۱) ''بندہ کو بغیر کسی تصور کے چین نہیں آتا اس لیے وہ آپ کے واسطے اچھی سی اچھی تمثیل بیان کرکے اپنی تسلی کرتا ہے''(۲) ''کبھی وہ آپ کو مستی سے ابوالحسن کہتا ہے اور کبھی کم عمر یا نازک اندام لڑکا کہتا ہے''(۳) ''اس (چرواہے) نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تونے میرا منہ بند کردیا اور پشیمانی سے میری جان کو جلادیا''(۴) ''موسیٰ علیہ السلام کے آداب اور ہیں سوختہ جانوں اور عقلمندوں کے آداب الگ الگ ہیں عاشقوں کے آداب ہر نفس کے مانند نہیں ویران مقامات پر خراج وعشر واجب نہیں''(۵) ''شہیدوں کا خون آب حیات سے بڑھ کر ہے یہ خطا صد صواب سے اولیٰ اور بڑھ کر ہے''۔

کو بیان کرنا چاہتا تھا، یعنی اس آیت کے متعلق یہ مضمون یعنی جنت میں چار نہروں اور پھلوں کا ہونا تو میں بیان کر چکا ہوں مگر اس کے بعد مجھ کو یہ بتلانا تھا کہ یہ چیزیں کن اعمال کی شکلیں ہیں اور دراصل بیان تو مجھے اسی کو کرنا تھا لیکن تمہید ہی اتنی لمبی چوڑی ہوگئی کہ اُسی میں سارا وقت ختم ہوگیا (اذان بھی عصر کی ہوچکی ہے ۱۲) اب میں اس مضمون کو جو اس وقت بیان کرنا چاہتا تھا ملتوی کرتا ہوں کیونکہ اس کا اس وقت بیان کرنا اس کو بالکل کھودینا ہے اگر میں نے اس وقت بیان کیا تو ایسا ہوگا جیسے بعضے حافظ قرآن پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا اگلے جمعہ میں دیکھا جاوے گا، بشرطیکہ یاد رہا اور جو مضمون اس وقت ذہن میں ہے وہ اس وقت تک ذہن میں محفوظ بھی رہا کیونکہ جو کچھ آتا ہے اُدھر ہی سے آتا ہے، چاہیں رکھیں چاہیں لے لیں، اس لیے میں وعدہ نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کرنا حقیقت میں دعویٰ کرنا ہے، بہرحال یہ جتنا بیان ہوچکا ہے یہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اصل مقصود کے لیے یعنی ربط بین العمل والجزاء(۱) بہت مفید ہے۔ اور کافی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جو مضمون معین مقصود ہے، اُس کے متعلق بھی جستہ جستہ (۲) بیان ہو ہی چکا ہے آگے اگر بیان بھی نہ ہو تو کچھ ضرر نہیں، میں اب ختم کر کے دعا کرتا ہوں (پھر سب نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی ۱۲)

ثم بحمداللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات (۳)

(۱) عمل اور اس کی جزاء میں ربط بیان کرنے کے لیے مفید ہے (۲) تھوڑا تھوڑا (۳) بہت ہی عمدہ وعظ ہے اللہ پاک تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین نیز اپنی دعاؤں میں محشی اس کے والدین اور اولاد کو یاد رکھیں۔

خلیل احمد تھانوی
۳۱/۵/۲۰۲۳

أخبار الجامعة

ماہ اگست۔ستمبر 2023ء

❁ 28 اگست: جامعہ ہذا میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی زیر سرپرستی مشاورتی اجلاس میں طے پایا کہ ماہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے جامعہ میں سیرت مصطفی ﷺ کی تقریب منعقد ہو جس میں طلباء وفضلاء جامعہ تلاوتِ قرآن کریم وتقاریر کریں اور اختتامِ تقریب، تقسیم انعامات کی نشست میں جامعہ کے اُن فضلاء کرام کو انعامات سے نوازا جائے جو مختلف یونیورسٹیوں سے ایم فل یا پی ایچ ڈی کرنے میں کامیاب ہوئے۔

❁ 30 اگست: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے گورنر پنجاب محترم بلیغ الرحمن صاحب کی دعوت پر گورنر ہاؤس میں منعقد عظمت قرآنِ کریم کے عنوان سے تقریب میں شرکت فرمائی۔جس میں پاکستان کے معروف قاری قرآن، الشیخ سعد نعمانی صاحب نے حرمین شریفین کے ائمہ کرام کے انداز میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی اس موقع پر گورنر صاحب اور قاری سعد نعمانی صاحب نے حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ کی قرآن کریم کے حوالے سے عظیم خدمات کو خراج تحسین پیش فرمایا۔

❁ 17 ستمبر: جامعہ ہٰذا میں مسابقہ پاکستان لحفظ القرآن الکریم کے انعقاد کے حوالے سے مشاورتی اجلاس ہوا جس کی صدارت حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ نے فرمائی اور دیگر مہمانوں میں سے جن حضرت نے شرکت فرمائی اُن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالوحید صاحب (ادارۃ المعارف کراچی)
۲۔ قاری اخلاق صاحب (فیصل مسجد اسلام آباد)
۳۔ پیر مظہر اسعدی صاحب (بہاولپور)

۴۔ مولانا عبداللہ مدنی صاحب (مسؤل وفاق المدارس لاہور)

۵۔ قاری اطہر صاحب (اقرأ روضۃ الاطفال لاہور)

۶۔ قاری رشید احمد تھانوی صاحب (ناظم امتحانات جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور)

۷۔ مولانا عثمان آفاق صاحب (بیت النور لاہور)

ودیگر مہمانانِ گرامی، اجلاس میں طے پایا کہ پہلے مرحلے میں 15 سال سے کم عمر حفاظ کرام کے مابین مسابقہ حفظ آن لائن منعقد کرایا جائے۔

اور دوسرے مرحلہ میں منتخب 15 طلباء کا صوبائی سطح پر بالمشافہ مسابقہ کرایا جائے۔

تیسرے مرحلے میں چاروں صوبوں بشمول گلگت وآزاد کشمیر سے اول، دوئم، سوئم آنے والوں کے مابین مسابقہ ہوگا تفصیلات اور طریقۂ کار سے جلد آگاہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔